کتاب و سنت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:10 Issue:6 June 2017

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	شب قدر اور عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف	مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی	۵
درسِ حدیث	پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے بچو	مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی	۷
پیشِ گفتار		مدیر	۹
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۱۲
"	عظیم ماؤں کے باعظمت بیٹے	مولانا سراج احمد قاسمی	۱۵
اصلاحِ معاشرہ	نمازِ تراویح اور ہماری کوتاہیاں	مولانا محمد غیاث الدین حسامی	۲۰
فضائل وآداب	مساجد کا ادب واحترام اور ہم اہلِ اسلام	مفتی شیخ آصف علی سعید قاسمی	۲۵
دعوتِ فکر ونظر	اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی	مولانا الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی	۳۰
منظوم کلام	ماہِ رمضان	مولانا اظہار الحق اظہر بستوی قاسمی	۳۵
نقوشِ رفتگاں	ایک مردِ حر تھا، خلد کی جانب رواں ہوا	مولانا عبدالرشید طلحہ قاسمی نعمانی	۳۷
"	حضرت مولانا حمید احمد صاحبؒ حیات وخدمات۔۔	محترم اکرم ترمذی صاحب زید مجدہٗ	۴۱
فقہ وفتاویٰ	احرام سے متعلق چند احکام	ادارہ	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

درسِ قرآن

شب قدر اور عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ۝۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۝۲ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَہْرٍ ۝۳ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا بِاِذْنِ رَبِّہِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝۴ سَلٰمٌ ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

(سورۃ القدر)

ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے، اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر امر کو لے کر اترتے ہیں، وہ رات سراپا سلامتی ہے فجر کے طلوع ہونے تک۔

تشریح: شب قدر امتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے، اس شب کی قدردانی کو پچھلی امتوں کے عابدوں کے ایک ہزار سال کی عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے، اس رات کے آنے سے پہلے جو آدمی اپنی معصیت کے سبب بے قدر و قیمت تھا اس کو اللہ تعالیٰ اس ایک رات کی قدر کی وجہ سے صاحب عز و شرف بنا دیتے ہیں۔

قرآن کریم اسی شب میں نازل ہوا، نزولِ قرآن کی دو تعبیریں خود قرآن میں آئی ہیں، ایک تعبیر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ مکمل قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی نازل ہوا جس کا ذکر اسی سورہ میں موجود ہے، دوسری تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن کو اپنے پروردگار کی اجازت سے آسمانِ دنیا سے وقت ضرورت بقدرِ ضرورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئس سالہ عرصہ حیات میں لاتے رہے۔

شبِ قدر میں فرشتوں اور روح القدس کے زمین پر اترنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنے ہم راہ فرشتوں کا ایک بڑا لشکر لے کر آنے والے سال کے پیش آمدہ تقدیری واقعات کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور زمین کے جس حصہ پر کسی مرد و عورت کو ذکر میں مشغول پاتے ہیں اس کے لئے رحمت کی دعا

*استاذ شعبۂ عالمیت ادارہ ہذا

کرتے ہیں؛ چوں کہ شب قدر بڑی سلامتی والی رات ہے اس رات میں خیر ہی خیر ہے، رات کا کوئی حصہ بھی سلامتی اور خیر سے محروم نہیں ہے، یہ سلامتی کا نزول پوری رات ہوتا ہی رہتا ہے جب طلوع فجر ہو جائے یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

شبِ قدر کی فضیلت تو اس سورۃ سے واضح ہے اور جہاں تک بات اس کے آنے کی ہے تو احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ وہ رمضان المبارک میں آتی ہے، رمضان کی کونسی تاریخ کو شب قدر ہوتی ہے اس کی تعیین نہیں ہے، لیکن نبی ﷺ کی اپنی امت کے حق میں یہ ذرہ نوازی ہے کہ آپ نے تحروا لیلۃ القدر فی العشرا لاواخر من رمضان کا حکم دے کر اپنی امت کے بوجھ کو ہلکا کر دیا کہ ''شب قدر کو رمضان کے اخیر دس راتوں میں تلاش کرو'' پھر اس شوق تلاش کو فروزاں کرنے اور آسان بنانے کے لئے آپ ﷺ نے مزید تخفیف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فاطلبوھا فی الوتر منھا یعنی شب قدر کو تلاش کرنا ہو تو عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

شب قدر کی تلاش میں یقینی طور پر کامیاب ہونے والے وہ خوش نصیب بندے ہوتے ہیں جو رمضان کے عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرتے ہیں اور خدا کے در پر پڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد رشید حضرت عطا بن ابی رباحؒ تابعی جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مشائخ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی محتاج ہو جو اپنی کوئی ضرورت لے کر کسی دولت مند کے دروازہ پر کھڑا رہ جائے، چنانچہ معتکف بھی بزبانِ حال بارگاہِ خداوندی میں یوں کہتا ہے کہ لا ابرح حتی یغفر لی میں اس در سے اس وقت تک چمٹا رہوں گا جب تک کہ میری مغفرت نہ ہو جائے۔

ایک حدیث میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو آدمی شب قدر کے خیر سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا، لہذا اس رات میں خوب سے خوب عبادت کا اہتمام کرنا چاہیئے اور اگر قیام لیل کی ہمت و طاقت نہ ہو تو کم از کم عشاء کی نماز باجماعت اور تراویح پڑھ کر سو جائے پھر فجر بھی جماعت سے پڑھ لے تو پوری رات کی عبادت کا اجر اس کے حق میں لکھا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پالوں تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا کرو کہ اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی کہ اے اللہ! آپ معاف فرمانے والے ہیں اور معافی کو پسند فرماتے ہیں تو مجھے معاف کر دیجئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شب قدر کی تلاش اور اعتکاف کی اپنے فضل و کرم سے توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث

پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے بچو

مولانا سید نذیر احمد یونس قاسمی*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :اِجْتَنِبُوْا السَبْعَ الْمُوْبِقَاتِ، قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ؟ قَالَ: الشِرْکُ بِاللّٰهِ والسِحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَکْلُ الرِّبٰوا وَمَالُ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّی یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغٰفِلٰتِ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سات ہلاک کردینے والی چیزوں سے بچو، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ سات چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، اس شخص کو قتل کرنا جس کے قتل کو اللہ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ، سود خوری، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

تشریح: ہر باغیرت شخص کے نزدیک اپنی اور اپنے گھر والوں کی عزت وناموس کی بڑی اہمیت اور قدر ہوتی ہے، انسان بے عزتی کو برداشت نہیں کرسکتا، باحیا انسان مرنا پسند کرتا ہے لیکن ذلیل و بے عزت ہونا گوارا نہیں کرتا، اسلام نے ان انسانی نفسیات کا بھرپور لحاظ رکھا اور عصمت وعفت کے تحفظ کا پورا نظام مرتب کیا رشتوں کا پاس ولحاظ بتلایا، حلال وحرام رشتوں کی تفصیل ذکر کی اور فواحش ومنکرات کی روک تھام کے لئے نوع بہ نوع تاکیدی احکام ذکر فرمائے اور بے حیائی جب آخری درجہ پر آجاتی ہے اور زنا جیسے گھناؤنے جرم ہونے لگتے ہیں تو اسلامی حدود بھی پوری سختی کے ساتھ نافذ کئے جاتے ہیں اور قرآن کا اعلان ہوتا ہے کہ زانیہ اور زانی کو سو کوڑے لگاؤ اگر یہ دونوں غیر شادی شدہ ہیں تو ان پر یہ سزا جاری ہوگی، اور اگر یہ دونوں شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کردیا جائے گا، ظاہر بات ہے کہ اس سخت حکم کو تو لوگ ایک دوسرے کا بدلہ لینے، عداوت ودشمنی نکالنے کا بھی ذریعہ بنا سکتے ہیں تو اس کے لئے حکم دیا کہ چار گواہ اس گناہ کے بارے میں عینی شہادت دیں تو یہ حد جاری ہوگی ورنہ یہ حد ساقط ہوجائے گی۔ اس لئے کہ ہر کس وناکس کے الزام لگانے سے حدود جاری کئے جائیں تو

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

غیرت مند عزت دار لوگوں کی عصمت وعفت کے تحفظ کی کوئی ضمانت نہ ہوگی بلکہ یہ تو مذاق اور دل لگی ہو جائے گی اس لئے شریعت نے حکم دیا اگر عاقل، بالغ، عفیف، آزاد مسلمان پر کسی نے بدکاری کا الزام لگایا تو اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں اگر اس نے اپنے اس دعویٰ پر چار گواہ حاضر نہیں کئے تو اس کو اسّی کوڑے مارے جائیں گے (جس کو شرعی اصطلاح میں حد قذف کہا جاتا ہے) تاکہ عزت دار مسلمان کی آبرو کا تحفظ ہو اور اس کی اس شرارت یا بے احتیاطی کی سزا اس کو ملے تاکہ انسان حدود اور دائرہ میں رہے اور خاص طور پر وہ عورتیں جو عفیف اور پاک دامن ہیں اور شریروں کی شرارت سے آگاہ بھی نہیں ہیں ان کے ساتھ اگر یہ حرکت کی جاتی ہے تو یہ دنیا وآخرت کی تباہی اور ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ امی جان حضرت عائشہؓ پر دشمنوں نے تہمت لگائی، اللہ نے بڑے جلال سے فرمایا کہ دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہوگا؛ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! اس ہلاک کر دینے والے عمل سے پرہیز کرو کہ تم کسی کی بیٹی، بہن اور بیوی کی ناموس پر حملہ آور ہو جاؤ، اس طرح کہ تم ان کو گناہ کی جانب منسوب کر کے ذلیل ورسوا کرو، کسی پاک دامن عورت کو زانیہ کہنا یا کسی شریف زادی کو کسی ایسے لقب سے پکارنا جو تہمت میں شمار کیا جاتا ہے یہ سب گناہ ہے یا کسی مرد کو زانیہ کا شوہر یا بیٹا کہنا یہ بھی تہمت ہی ہے۔ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ماتحتوں کے ساتھ بھی بدکلامی، بے جا الزام سے منع فرمایا اور اپنی مملوکہ پر بھی اگر کسی نے الزام لگایا تو فرمایا کہ جس نے اپنی باندیوں پر تہمت لگائی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر حد جاری فرمائیں گے۔

ہم اپنی مجلسوں اور گفتگو کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ہم کتنی ہی باتیں تہمت، بہتان کے سلسلہ کی لوگوں پر لگا دیتے ہیں اور اس پر غور بھی نہیں کرتے کہ ہم نے کتنا بڑا جرم کیا ہے، قرآن کریم آگاہ کر رہا ہے کہ ''آدمی زبان سے کوئی لفظ نہیں بولتا مگر اس کے سامنے ایک فرشتہ تاک لگائے بیٹھا ہوتا ہے'' تاکہ اس نے جو کہا ہے اس کو لکھ کر محفوظ کر دے

اور کل میدانِ حشر میں جب رب ذوالجلال میزانِ عدل قائم کریں گے تو اس بندۂ خدا کو بھی بلایا جائے گا جس کی نیکیاں تو بہت ہوں گی لیکن کسی پر تہمت بھی اس نے لگائی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں لے کر جس پر تہمت لگائی تھی اس کو دیدیں گے، اور وہ خالی ہاتھ کفِ افسوس ملتا رہ جائے گا اسی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ میری امت کا مفلس ہے۔

بالخصوص وہ لوگ جن کی زبانیں بے قابو ہیں اور وہ بات بات پر فحش کلامی، گالی گلوج کرتے ہیں وہ اس قسم کے گناہ میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے وہ اسی بے خیالی میں پڑے رہیں گے اور آخرت کا خسارہ ان کا مقدر بن جائے گا۔ خدا تعالیٰ ہر مردِ مومن کی حفاظت فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

بہ قلم: مدیر

قارئین اشرف الجرائد کی خدمت میں رمضان المبارک اور عید سعید کی مبارکباد پیش ہے، اور دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس قیمتی موسم کے ایک ایک لمحے کی صحیح معنوں میں قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گذشتہ دو ماہ سے مسلسل اسفار رہے، تقریباً بیس ہزار کیلومیٹر کا سفر کرتے ہوئے کوئی ساٹھ پروگراموں میں شرکت ہوئی، اکثر پروگرام مدارسِ دینیہ کے اختتامی جلسے تھے، ہر جگہ چند امور کی طرف بہ طور خاص توجہ دلائی گئی۔

مدارسِ دینیہ کے پروگراموں سے متعلق عرض کیا جاتا رہا کہ:

۱۔ مدارس کے جلسے خالص دینی جلسے ہیں، ان میں ویڈیو گرافی اور فوٹو کشی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، ملی وقومی مسائل میں علماء نے اگر میڈیائی مصلحت سے ان منکرات کا تحمل کرلیا ہے تو وہ پھر بھی سمجھ میں آتا ہے مگر مدارسِ دینیہ کے جلسوں میں اس کی کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، سوائے ابتلائے عام اور نقالیٔ محض کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، اگر مدارس دینیہ بھی اس شوق سے محفوظ نہ رہیں تو پھر دین کی کہاں حفاظت ہو سکے گی۔

۲۔ مکالموں میں عام طور سے دینی تعلیم کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے عصری تعلیم اور اس کے حاملین کی بہت تنقیص کی جاتی ہے جو بالکل مناسب نہیں ہے، کیا علماء واہل مدارس ان علوم کے حاملین کے محتاج نہیں ہیں، کیا آج کسی اسلامی ملک کا نظام صرف علماءِ دین سے قائم ہو جا سکتا ہے، کیا بیماروں کا علاج، مساجد ومدارس کی تعمیر، مقدمات کی پیروی اور حسابات کی توثیق وغیرہ کے لئے اہلِ مدارس ان علوم کے حاملین سے مدد نہیں لیتے؟ پھر سماجی وانسانی ضرورت کے ان علوم کو گرا کر دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں علم دین کی فضیلت وبرتری کتاب وسنت سے ثابت ہے ثابت رہے گی، ان مکالموں میں علم دین کی تشویق وترغیب کے لئے اس کی شرعی وعقلی ترجیح اور سب کے لئے اس کے حصول کی ضرورت ثابت کر دینا کافی ہے، اس کے لئے دیگر علوم وفنون کی

تنقیص وانکار کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

۳۔ پروگرام وقت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ تین گھنٹوں میں ترتیب دینا چاہیئے، طلبہ کے مظاہرے اور مہمانان کی تقاریر سب اسی میں ہوجانے چاہئیں، مدارس کے جلسوں میں وقت کی بے انتہاء اضاعت دیکھنے میں آئی، بے شمار مقررین جمع کئے جاتے ہیں، ہر ایک کو وقت کا خیال رکھتے ہوئے بیان کرنے کا پابند کیا جاتا ہے جسے بعض تسلیم نہیں کرتے بعض اس ڈر سے کچھ بول نہیں پاتے، پھر مہمانِ خصوصی کو اتنا انتظار کرایا جاتا ہے کہ وہ بے زار ہوجائے، اس طرح کھانے اور نماز میں معمول سے کافی تاخیر ہوجاتی ہے جو سب کی زحمت کا سبب ہے۔

۴۔ شعبۂ حفظ وناظرہ کے مدارس میں بھی طلبہ کے ذریعہ اردو، عربی، انگریزی تقاریر پیش کرائی جاتی ہیں، جب کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ حفظ وتجوید، تلاوتِ حدر وترتیل، ادعیہ واحادیث، اذکار وسنن کا مظاہرہ کرایا جانا چاہیئے کیوں کہ انہیں سال بھر یہی تو سکھایا جاتا ہے، البتہ شعبۂ عالمیت کے طلبہ سے تقاریر ومباحث کا مظاہرہ مناسب ہے، جب یہ سال بھر کی کارکردگی کا مظاہرہ ہے تو جس مدرسے میں جو کام ہوا ہے اس کا مظاہرہ حقیقت کے مطابق ہے۔

۵۔ تقاریر کا مواد پہلے ہی ذمہ داروں کو دیکھ لینا چاہیئے، بعض مدرسوں میں ایسی جارحانہ تقریریں سننے کو ملیں کہ عقل دنگ رہ گئی، کیا ہمارے نظمائے مدارس زمانے کی نبض اور ملک وملت کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں یا وہ کسی اور دنیا کے باسی ہیں؟ نعتیں بھی پہلے سُن لی جانی چاہیئے کہ اعتدال وتوحید پر مبنی ہے یا نہیں؟ بعض جگہ غالیانہ نعتیں سُن کر افسوس ہوا، نیز پڑوسی ملک میں مروّج نظمیں اور ترانے بھی سوچ سمجھ کر لینے چاہیئں، اسلئے کہ اس ملک کا ماحول ومزاج بالکل مختلف ہے جو ہمارے ملک کے مزاج وماحول سے جوڑ نہیں کھاتا۔

اِن چند ضروری باتوں کے علاوہ تین پیغام عوام الناس کے لئے بھی دیئے جاتے رہے:

۱۔ مسلمان آپسی اختلافات کو اپنی حد میں رکھ کر اسلامی اتحاد واُخوت کو مضبوط کرلیں، اس کے لئے سب سے آسان ترتیب یہ ہے کہ احادیث میں مروی حقوقِ مسلم کو بلا لحاظ مسلک ومشرب ادا کرنے کا اہتمام کریں، جماعتی ومسلکی اختلاف کو مذہبی اتحاد پر اثر انداز ہونے نہ دیں؛ یہ بات اسلامی تعلیمات کی رو سے تو بہر حال ضروری ہے ہی ملک کے بدلتے حالات میں اس کی اہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

۲۔ غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ مسلمان انسانی حقوق کی ادائیگی اور میڈیا کی پھیلائی غلط فہمیوں کو ختم کرتے ہوئے آپسی دوریوں کا ازالہ کریں، صرف پڑوسی کے حقوق بھی ادا کر لئے جائیں تو بہت کامیابی مل سکتی ہے، عالمی میڈیا مسلمانوں سے نفرت بڑھانے کی ہر ممکن سعی کر رہا ہے، حقائق کے اظہار اور غلط فہمیوں کے

نظریاتی ازالے کے لئے میڈیا میں ہماری کوئی شنوائی نہیں ہے، ہمارے پاس واحد حل یہی رہ گیا ہے کہ سماج کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپنے ساتھی غیر مسلموں سے قریبی تعلقات رکھیں اور اچھے معاملات کریں، تاکہ فرقہ واریت کو ہَوا دے کر سیاسی اغراض پورا کرنے چاہنے والوں کو شکست دی جاسکے؛ ورنہ اگر مسلمان اپنے آپ میں رہنے اور اطراف واکناف میں موجود اقوام سے لاتعلق رہنے کی روش نہ چھوڑیں گے تو آگے چل کر بہت ہی مشکل صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ارادہ تھا کہ ان اُمور پر قارئین کرام سے تفصیلی گفتگو کی جائے مگر جون کا شمارہ پریس جارہا ہے اس لئے فوری طور پر یہ چند سطریں تحریر کردی ہیں؛ موقع ملے تو کبھی تفصیل سے عرض کروں گا۔

والسلام

(بقیہ صفحہ ۲۴ سے)

بھی باز پرس ہوگی، بعض خواتین شبینوں میں جانے کا اہتمام کرتی ہیں اور تین یا چھ دن میں ایک قرآن مکمل کر کے گھر بیٹھ جاتی ہیں جبکہ تمام رمضان تراویح پڑھنا ان کے لئے بھی ضروری ہے، بعض حافظہ خواتین تراویح میں قرآن سناتی ہیں اس کے لئے اعلانات کئے جاتے ہیں، محلہ کی دوسری خواتین کو جمع کیا جاتا ہے، یہ عمل کسی بھی طرح درست نہیں؛ ہاں کوئی حافظہ خاتون تراویح میں قرآن سنانا چاہتی ہے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ بغیر کسی اعلان کے صرف اپنے گھر کے افراد کے ساتھ جماعت بنا سکتی ہے لیکن امام کی جگہ کھڑی نہ ہو بلکہ صف کے درمیان کھڑی ہو، آواز اونچی نہ ہو کہ غیر مرد سن سکے، اور جسمانی وروحانی پردہ کا پورا خیال رکھے کہ کسی کی نظر نہ پڑے وغیرہ، خواتین کی جانب سے پائی جانے والی کوتاہیاں عموماً مسائل سے ناواقفیت کی بناء پر واقع ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری کوتاہیاں اور خرابیاں اس وقت امت میں داخل ہوگئی ہیں مثلاً تراویح پر اجرت کا لینا، خواتین کا نماز اور تراویح کے لئے مسجدوں کو جانا، ہر چار رکعت کے درمیان مخصوص تسبیحات کا التزام کرنا، تراویح کے بعد مختلف انبیاء کرام کے ناموں کے ساتھ صلاۃ کا پکارنا، ختم قرآن کے موقع پر اجوائن، کھجور، اور پانی پر دم کرانے کو لازم سمجھنا وغیرہ یہ ایسی خرابیاں ہیں جو قابل اصلاح ہے، حقیقت یہ ہے کہ رمضان اور تراویح خالص اللہ کی عبادت ہے، اس کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لئے بغیر کسی کوتاہی اور خرابی کے تراویح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

یہ زینب بنت جحش بن رباب؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کے قول کے مطابق آپ اولین ہجرت کرنے والوں میں شامل ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح:

اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ذوالقعدہ سن پانچ ہجری میں ہوا، یہ اس وقت پچیس سال کی تھیں۔

حضرت زینبؓ کا نکاح عرش پر:

حضرت زینبؓ (پہلے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کی زوجیت میں تھیں، چنانچہ اُنہی کے تعلق سے قرآن کریم میں ارشاد باری عزوجل ہے:

’’ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيْ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَراً زَوَّجْنَاكَهَا ‘‘ (الأحزاب: ۳۷) اور (اے پیغمبر!) یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی احسان کیا تھا اور تم نے بھی احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ: اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رہنے دو، اور اللہ سے ڈرو، اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید نے اپنی بیوی سے تعلق ختم کرلیا تو ہم نے اس سے تمہارا نکاح کرادیا۔ (ترجمہ از: آسان ترجمہ قرآن، مرتبہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ)

حضرت زینبؓ کا اللہ عزوجل کے حکم پر سر تسلیم خم کرنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ کی عدت پوری ہوگئی

تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ زینبؓ کے پاس جا کر میرا ذکر کرو، وہ چلے گئے جب ان کے پاس پہنچے تو خود کہتے ہیں کہ وہ آٹا گوندھ رہی تھیں، جب میں نے انہیں دیکھا تو میرے دل میں ان کی اتنی عظمت پیدا ہوئی کہ میں ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا تذکرہ کیا تھا، چنانچہ میں نے اپنی پشت پھیری اور الٹے پاؤں لوٹ گیا اور ان سے کہہ دیا کہ زینب! خوشخبری ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، وہ تمہارا ذکر کر رہے تھے، انہوں نے جواب دیا کہ میں جب تک اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں کچھ نہ کروں گی، یہ کہہ کر وہ اپنی جائے نماز کی طرف بڑھ گئیں اور اسی دوران قرآن کریم کی آیت نازل ہوگئی پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہاں تشریف لائے اور ان سے اجازت لئے بغیر اندر تشریف لے گئے۔ (مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حدیث: ۱۳۰۲۴)

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب کی نص اور عبارت سے حضرت زینبؓ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا، جس میں کوئی ولی اور گواہ بھی نہ تھا، یہ دیگر امہات المؤمنین سے بطور فخر کہا کرتی تھیں: تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ عزوجل نے عرش پر فرمایا۔

حضرت زینبؓ اور دیگر ازواج کے مابین قصہ مغافیر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب بنت جحش کے پاس ٹھہرے اور ان کے پاس شہد پیئے، تو میں اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں تو کہے کہ مجھے آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے، کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ آپ ان دونوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے یہی عرض کیا، آپ نے فرمایا نہیں! میں نے تو زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد پیا ہے اور اب کبھی نہیں پیوں گا، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ'' (التحریم:۱) اے نبی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کیوں ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کی ہے، آگے ''إِن تَتُوبَا'' میں حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ سے خطاب ہے ''وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا'' (اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے آہستہ سے بیان فرمادی) سے مراد آپ کا یہ قول ہے کہ میں نے تو شہد پیا ہے۔ (بخاری، باب إذا حرم طعامہ، حدیث: ۶۶۹۱)

مغافیر یہ گوند کے مثل کوئی چیز ہوتی ہے جس میں مٹھاس ہوتی ہے اور اس میں ایک قسم کی کڑوی بو ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت زینبؓ کے فضائل بیان کرتی ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مرتبہ میں میرے برابر صرف

حضرت زینب ؓ ہی تھیں اور میں نے کوئی عورت حضرت زینب ؓ سے زیادہ دیندار، اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والی، سب سے زیادہ سچ بولنے والی، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور بہت ہی صدقہ وخیرات کرنے والی نہیں دیکھی اور نہ ہی حضرت زینب ؓ سے بڑھ کر تواضع اختیار کرنے والی اور اپنے ان اعمال کو کم سمجھنے والی کوئی عورت دیکھی۔

حضرت زینب ؓ کے فضائل ومناقب:

یہ نہایت نیک خو، روزے رکھنے والی، عبادت گذار، نیکوکار واقع ہوئی تھیں، ان کو غریبوں کی خبر گیری اور دیکھ ریکھ کی وجہ سے ''ام المساکین'' کے خطاب سے ملقب کیا گیا۔ وہ صنعت وحرفت میں طاق تھیں، یہ چمڑے کو دباغت دیتیں اور سلائی کڑائی کرتیں اور اس سے حاصل ہونے والے روپیوں پیسوں کو صدقہ کرتیں، یہ سادات سے تعلق رکھتیں تھیں، نہایت دیندار، تقوی شعار، سخی اور نیکوکار تھیں۔

نبی کریم ﷺ کی زبانی حضرت زینب ؓ کی نیکی اور بھلائی کی تعریف

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے تعلق سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا ''أسرعکن لحوقا بی أطولکن یدا'' (مجھ سے تم میں سے سب سے پہلے وہی ملے گی جس کا ہاتھ لمبا ہے) اس سے صدقہ بھلائی اور خیر خواہی مراد تھی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات:

یہ سن ۲۰ ہجری میں وفات پا گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا:

یہ زینب بنت خزیمہ بن الحارب بن عبداللہ ہلالیہ ہیں، یہ بھی ''ام المساکین'' کے نام سے معروف ہیں، اس لئے یہ بھی بھلائی اور خیر خواہی میں بہت زیادہ معروف اور مشہور تھیں۔

ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن جحش ؓ کا جنگ احد میں انتقال ہو چکا تھا، ان سے نبی کریم ﷺ نے نکاح فرمایا، یہ آپ ﷺ کی زوجیت میں دو ڈھائی مہینے رہ کر انتقال کر گئیں، یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ ؓ کی ماں شریک بہن تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گوشۂ خواتین (۲)

عظیم ماؤں کے باعظمت بیٹے

از: مولانا سراج احمد قاسمی*

امام سفیان بن عیینہؒ:

یہ بڑے درجہ کے تبع تابعی اور امام شافعیؒ جیسے فقیہ کے استاذ ہیں، خود امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اگر ہمارے استاذ امام مالکؒ اور سفیانؒ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہوجاتا، سفیان ابن عیینہ کے ایک شاگرد وکیع بن جراحؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے استاذ حضرت سفیان کی والدہ نے ان سے کہا کہ ''میرے پیارے بیٹے! تم علم دین حاصل کرو میں سوت کی کتائی کر کے تمہاری ضروریات پوری کروں گی، بیٹے جب تم دس حدیث سیکھ لو تو اپنے بارے میں غور کرو اور دیکھو کہ چال چلن، حلم ووقار میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں؟ اگر یہ نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ علم تمہارے حق میں مضر ہے نافع نہیں ہے، والدہ صاحبہ کی خصوصی نگرانی وتربیت اور نصیحت کے مطابق امام سفیان ابن عیینہؒ نے دس سال کی عمر سے علم سیکھنا شروع کیا، اور ۸۷ سے زائد علمائے تابعین سے علم حدیث حاصل کیا، پھر ان سے بہت سے لوگوں نے حدیث کا علم حاصل کیا، بہرحال والدہ ماجدہ نے جس انداز سے ان کو علم دین کی طرف راغب کیا، توجہ دلائی، خرچ کا بوجھ اٹھایا وہ آج کے دور کی مسلم ماؤں کے لئے قابل رشک اسوہ ہے۔

حضرت امام شافعیؒ:

چاروں اماموں میں سے تنہا وہ امام ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتے ہیں، محمد ابن ادریس نام ہے اور کنیت ابوعبداللہ، غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اسی روز یا اسی سال حضرت امام ابوحنیفہؒ کا انتقال ہوا، حضرت امام شافعیؒ کی پیدائش غریب گھرانہ میں ہوئی، بچپن میں ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، دوسال کی عمر میں ہی والدہ صاحبہ انھیں لیکر مکہ معظمہ آگئیں، ان کی تعلیم وتربیت کا ایسا اہتمام کیا کہ صرف سات سال کی عمر میں ہی حافظ قرآن ہوگئے، حضرت امام شافعیؒ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ کے پاس اتنی رقم نہ تھی کہ مکتب کے معلم کی کچھ خدمت کی جاسکے تو میں معلم کی غیر موجودگی میں بچوں کو سبق پڑھادیا کرتا، جسکی وجہ سے وہ مجھے مفت میں تعلیم دینے پر راضی ہوگئے، میری ماں کے پاس اتنے بھی پیسے نہ تھے کہ کاغذ خرید سکوں، ہڈیاں، ٹھیکرے، کھجور کے پتے، چن کر اُن پر احادیث لکھا کرتا تھا، امام صاحبؒ حفظ قرآن مجید کے بعد حفظ

*مدرس مدینۃ العلوم صدرنا گپور

حدیث کی طرف متوجہ ہوئے تو دس سال کی عمر میں ''مؤطا'' (علم حدیث میں امام مالکؒ کی لکھی ہوئی سب سے پہلی کتاب) پوری حفظ کر لی، مسلم بن خالد زنجیؒ مفتی مکہ کے درس میں شریک ہو کر تین سال تک استفادہ کئے، تیرہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر صرف آٹھ مہینہ میں ''مؤطا'' کی قرأت زبانی کی، پھر مکہ واپس آ گئے، اور وہاں کے بڑے بڑے علماء اور محدثین سے علم حاصل کرتے رہے اور اپنے استاذ حضرت مسلم بن خالدؒ کی اجازت سے پندرہ سال کی عمر میں فتوے دینے لگے، معاشی ضروریات کے خاطر یمن کے حاکم سے ملاقات کی اور وہاں کے ایک علاقہ ''نجران'' کے گورنر بنا دئے گئے، یمن کے حاکم کو ظلم وزیادتی سے روکنے کے سبب وہ ناراض ہو گیا، خلیفہ وقت ہارون رشید کو لکھا کہ امام شافعیؒ علویوں اور امویوں سے ساز باز رکھتے ہیں، حکم ہوا کہ گرفتار کر کے دار الخلافہ بغداد بھیج دو، خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے تو امام محمدؒ کی سفارش سے رہائی نصیب ہوئی، اس طرح خلیفہ ہارون رشید کی تلوار سے نجات پا کر حضرت امام محمدؒ کے زیر سایہ آ گئے، ۳۴ سال کی عمر میں دوبارہ تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور امام محمدؒ کی خدمت میں تین سال رہ کر حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور فقہ کے بانی ومؤسس قرار پائے، بغداد سے مکہ آئے، حرم میں درس کا سلسلہ جاری کئے، امام احمد بن حنبلؒ نے یہیں آپؒ علمی استفادہ فرمایا، ۹ سال کے بعد ۱۹۵ھ میں امام شافعیؒ نے پھر بغداد کا سفر میں کیا، دو سال تک بغداد کے علماء وفقہاء آپؒ سے حدیث وفقہ میں استفادہ کرتے رہے، دو سال قیام کے بعد پھر مکہ واپس ہوئے، تیسری مرتبہ ۱۹۸ھ میں بغداد آئے، ایک مہینہ کے بعد یہاں سے مصر روانہ ہو گئے، چون ۵۴ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے اور مصر میں ہی آپؒ کی مزار ہے۔ ۱۱۳ کتابیں لکھیں، جن میں الرسالہ، کتاب الام، سنن شافعی، زیادہ مشہور ہیں، بہت سارے شاگرد بھی آپ نے اپنے پیچھے چھوڑے جو آگے چل کر اپنے اپنے وقت کے امام فن ہوئے۔

امام احمد بن حنبلؒ:

یہ ان چار ائمہ مجتہدین میں سے ایک ہیں جن کے بیان کئے ہوئے فقہی مسائل پر مختلف ملکوں میں صدیوں سے عمل ہوتا آ رہا ہے، بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، تین سال کی عمر ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ صفیہ بنت میمونہ عبد الملک نے پرورش کی، بڑی محبت اور بہت ہی اہتمام و پیار سے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری نبھائی، جب تک زندہ رہیں اپنے بیٹے کی ہر طرح خبر گیری کرتی رہیں اور اپنی شفقت ومحبت ان پر نچھاور کرتی رہیں، امام احمدؒ بچپن میں ہی قرآن مجید کے حافظ ہو گئے، پھر علم حدیث کے حصول کی طرف توجہ کی تو سب سے پہلے حضرت امام ابو یوسفؒ سے حدیثیں لکھیں اور یاد کیں، چار سال تک امام حدیث ہشیم بن بشیرؒ سے استفادہ کیا، بغداد کے دوسرے محدثین اور اہل علم سے بھی مستفید ہوتے رہے، یہاں سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ،

مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کئے اور ہر جگہ کے مشہور و نامور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آپؒ کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں، ۴۰ سال کی عمر میں درس حدیث دینا شروع کیا، مجلس درس میں بیک وقت پانچ پانچ ہزار شاگرد ہوتے تھے، گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ معتزلہ ہے جس نے یہ فتنہ کھڑا کیا کہ قرآن مخلوق ہے، حکومت نے بھی اس کی پشت پناہی کی، تنہا امام احمدؒ نے اس فتنہ کا مقابلہ کیا، اور سختی سے اس فتنہ انکار کرتے ہوئے، حق کی وضاحت کی کہ قرآن مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے اور غیر فانی ہے، تین دن اکیلے ہی بحث ومباحثہ کرتے رہے، خلیفہ معتصم کے حکم سے ۲۸ کوڑے حضرت امام صاحبؒ کو اس طرح مارا گیا کہ ایک جلاد صرف دو کوڑے مارا تا پھر دوسرا تازہ دم جلاد بلایا جاتا، ہر کوڑے پر آپ یہی کہتے کہ قرآن اور سنت سے کوئی دلیل پیش کرو تو میں مان لوں، اس کے بعد ۲۸ ہفتہ تک قید کر دیا گیا اور اس دوران بھی ۳۴ کوڑے مارے گئے، امام بخاریؒ بیان کرتے ہیں امام احمدؒ کو ایسے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ان میں سے ایک کوڑا ہاتھی کو لگتا تو چیخ مار کر بھاگتا، بہر حال حضرت امام صاحبؒ کی ثابت قدمی سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

امام صاحبؒ ۱۸۰ھ میں سولہ سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، اسی وقت سے روایات جمع کرنا بھی شروع کر دیا، اخیر وقت تک مختلف اوراق وصفحات میں جمع کرتے رہے، ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث میں سے تیس ہزار کا انتخاب کیا، اور اپنے چچازاد بھائی اور دونوں صاحبزادوں صالح اور عبداللہ کو اسے پڑھ کر سنایا اور مسودہ ان کے سپرد کر دیا، آپ کے صاحبزادے نے مزید دس ہزار حدیث کا اس میں اضافہ کیا، اس طرح حدیث کی مشہور کتاب ''مسند احمد بن حنبل'' تیار ہوئی، جس میں سات سو صحابہؓ کی روایات جمع کی گئی ہیں۔

امام صاحبؒ نے ۷۷ سال کی عمر پائی، ۹ دن بیمار رہے، پیشاب سے خون آنے لگا، طبیب سے کہا گیا تو اس نے بتایا کہ غم وفکر نے ان کے پیٹ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، جمعہ کی رات میں طبیعت زیادہ خراب ہوئی اور ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرما گئے، آپ کی نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں شریک ہوئیں، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد جیسے بڑے بڑے حدیث کے امام آپ کے شاگرد ہیں۔

شیخ الاسلام امام اوزاعیؒ:

بَعْلَبَکَّ نامی شہر میں پیدا ہوئے، بچپن میں ہی والد محترم کا سایہ عاطفت سر سے اٹھ گیا، ماں کے کمزور کاندھوں پر تربیت و پرورش کا بوجھ آپڑا، ماں نے ان کو ایسی تعلیم دی اور ایسا ادب سکھایا کہ بادشاہ بھی اپنی اولاد کو نہ سکھا سکے، یہ ایک فقہی مسلک کے بانی ہوئے، ان کا مسلک تیسری صدی تک جاری رہا، اسی ہزار مسائل کے جواب زبانی دیئے، یہ سب ان کی والدہ صاحبہ کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا۔

امام شعبہ بن حجاجؒ:

ان کی والدہ صاحبہ بھی بڑی عالمہ وفاضلہ تھیں، علم حدیث پر بہت وسیع نظر رکھتی تھیں، انھوں نے اپنے بیٹے شعبہ کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی، امام شعبہؒ نے صحابہ میں سے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عمرو بن سلمہؓ سے ملاقات کی، اور چار سو تابعینؒ سے حدیث کی روایت کی، انکی والدہ نے ایک بار انھیں حکم دیا کہ تم فلاں عورت کے پاس جا کر حضرت عائشہؓ کی احادیث سن لو، اس محدثہ خاتون کے پاس جا کر احادیث کی سماعت کی اور والدہ سے بتایا، تو والدہ ماجدہ نے کہا لاَ یَسْئَلُکَ اللہُ (اللہ تعالی اب تم سے علم دین کی کوتاہی کا سوال نہیں کرے گا) بہرحال یہ فن حدیث میں امامت کے درجہ پر فائز تھے اور امیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے تھے۔

امام ابن علیہؒ:

ان کا پورا نام اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم ہے، ۱۱۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد ابراہیم کوفہ میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے، ان کا تجارتی سلسلہ میں بصرہ بھی آنا جانا ہوتا تھا، انھوں نے بصرہ میں بنی شیبان کی ایک باندی ''علیہ بنت حسان'' سے شادی کرلی، یہ بڑی عالمہ فاضلہ، عاقلہ اور ممتاز ومحترم خاتون تھیں، بصرہ کے اہل علم پردہ کی اوٹ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور یہ ان سے علمی ودینی مسائل میں گفتگو کرتی تھیں، انھوں نے اپنے بیٹے اسماعیل کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ دے کر انھیں محدثین اور فقہاء کا صدر نشین بنایا، چنانچہ یہ رَیْحَانَۃُ الْفُقَہَاءِ وَالْمُحَدِّثِیْنَ کے لقب سے سرفراز کئے گئے اور اپنی ماں کی طرف نسبت کرتے ہوئے ابن علیہ سے مشہور ہوئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ:

۱۳ شوال ۱۹۴ھ بعد نماز جمعہ بخارا میں پیدا ہوئے، بچپن میں ہی والد کا انتقال ہوگیا، والدہ کی شفقت بھری گود میں پرورش پائے، کم سنی میں ہی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی، والدہ کی دعاؤں کی برکت سے پھر آنکھیں روشن ہوگئیں، والدہ نے علم حاصل کرنے کا شوق دلایا، گیارہ سال کی عمر میں مشائخ حدیث کی خدمت میں حاضر ہوئے، سولہ سال کی عمر میں عبداللہ بن مبارکؒ اور امام وکیعؒ کی حدیث کی کتابوں کو حفظ کرلیا، والدہ اور بڑے بھائی کے ساتھ سفر حج کو گئے، بھائی تو حج کے بعد بخارا واپس آگئے مگر امام بخاریؒ مکہ میں دو سال رک کر علم حاصل کرتے رہے، اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کے پاس چاندنی راتوں میں ''قضایا الصحابہ والتابعین'' اور ''التاریخ الکبیر'' لکھی۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے مکہ، مدینہ شام، مصر، کوفہ، بصرہ، بغداد، جزیرہ وغیرہ مقامات کا بار بار سفر کیا، حج کے دنوں میں مکہ چلے جایا کرتے اور دور دراز

سے آئے ہوئے علماء ومحدثین سے علم حاصل کرتے، آٹھ مرتبہ بغداد گئے اور ہر مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ بغداد کے قیام پر اصرار کرتے، امام بخاریؒ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا، ۲۱ کتابیں لکھیں، ان میں سب سے اہم ''الجامع الصحیح'' یعنی بخاری شریف ہے، ایک اندازہ کے مطابق عمر کے ۲۳ ویں سال ۲۱۷ھ میں لکھنا شروع کیا اور سولہ سال میں مکمل فرمائی، چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے بخاری شریف کو مرتب کیا، یہ سب ان کی والدہ صاحبہ کا فیض ہے کا ان کا یتیم بیٹا اتنا بڑا محدث بنا کہ امیر المؤمنین فی الحدیث کہلایا اور علم حدیث میں ایک ایسی کتاب لکھی جسے قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب کہا جاتا ہے، حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آفتاب ۶۲ سال کی عمر میں ۲۵۶ھ میں غروب ہو گیا۔

امام عبدالرحمن جوزیؒ:

۵۰۸ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، ان کے والد تین برس کا چھوڑ کر انتقال فرما گئے، باپ کے بعد ان کی پرورش ماں اور پھوپھی صاحبہ نے کی، چھ سال کی عمر میں ہی مکتب میں بٹھا دیئے گئے، چھوٹی عمر سے ہی ابن جوزیؒ کو ان کی پھوپھی علماء کے حلقہ درس میں لے جاتیں تا کہ بچپن سے ہی ان کو علمی باتوں کا شوق ہو، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ابن جوزیؒ دس برس کی عمر میں وعظ فرمانے لگے اور آگے چل کر ایک جلیل القدر واعظ، مصلح اور محدث بنے، ڈھائی سو کتابیں تصنیف کیں، دو ہزار جلدیں اپنے ہاتھوں سے لکھیں، زمانہ طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا، جن قلموں سے وہ حدیث شریف کی کتابیں لکھنے کے لئے قلم بناتے اس وقت جو کترن اور برادہ گرتا اسے جمع کرتے رہے، وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت کی کہ غسل کا پانی قلم کے انھیں کترنوں سے گرم کیا جائے، چنانچہ ان کے غسل کا پانی اسی پاک ایندھن سے گرم کیا گیا، پانی گرم ہونے کے بعد کچھ تراشہ بچ بھی گیا، ۵۹۷ھ شب جمعہ میں ان کا انتقال ہوا۔

شارح چغمنی قاضی زادہ روم:

''شرح چغمنی'' ریاضیات (علم الحساب) میں عربی زبان کی بہت مشہور اور اہم کتاب ہے، انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن روم میں حاصل کی، اس کے بعد مزید حصول علم کا شوق دل میں پیدا ہوا، خراسان کے سفر کی تیاری چپکے چپکے کرنے لگے، بہن نے بھائی کے ارادہ کو بھانپ لیا، رو پیٹ کر پورے گھر کو بھائی کے ارادے سے خبردار کرنے کے بجائے اپنا بہت سا زیور بھائی کے سامان سفر میں چھپا کر رکھ دیا، تا کہ سفر میں کام آئے اور اخراجات میں پریشانی نہ ہو، بہن کے اس عزیز توشہ نے سفر میں جو نفع دیا ہوگا اس کا حال کوئی علامہ بھائی سے ہی پوچھے۔

آج بھی اگر خواتین اسلام اپنے بچوں کی تربیت پر توجہ دیں اور دینی رہنمائی کریں تو موجودہ وقت میں بھی ایسے افراد دین وملت کی خدمت کے لئے میسر ہو سکتے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ

نمازِ تراویح اور ہماری کوتاہیاں

مولانا محمد غیاث الدین حسامی*

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ کے معنی: ایک دفعہ آرام کرنا ہے، نمازِ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر ٹھہرنا اور سکون حاصل کرنا مستحب ہے اسی وجہ سے اس نماز کا نام تراویح رکھا گیا ہے، نماز تراویح کا پڑھنا مرد وعورت سب کے لئے سنت مؤکدہ ہے، اس کا چھوڑنا جائز نہیں اور تراویح کی جماعت مَردوں کے لئے سنت علی الکفایہ ہے۔ یعنی اگر تمام لوگ باجماعت سے نہ پڑھیں تو گناہگار ہوں گے اور اگر کچھ لوگ باجماعت ادا کرلیں تو کوئی گناہ نہیں، نماز تراویح کی ابتداء آپ ﷺ سے ہوئی اور اس کی جماعت کا اہتمام حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہوا، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھائی تو لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز تراویح پڑھی، پھر دوسری رات نماز تراویح میں شرکاء کی تعداد زیادہ ہوگئی، تیسری یا چوتھی رات آپ ﷺ نماز تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا کہ میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اس اندیشہ سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کردی جائے۔ (مسلم، الترغیب فی صلاۃ التراویح) اس اندیشہ کے باوجود آپ ﷺ حضرات صحابہؓ کو نماز تراویح کے لئے ترغیب دیتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تراویح کی ترغیب تو دیتے تھے؛ لیکن وجوب کا حکم نہیں دیتے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کی راتوں میں پورے ایمان ویقین کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے نماز تراویح پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف فرمادیں گے۔ (ایضاً)

تراویح کی طرف توجہ دہانی کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے تک جاری رہا، دورِ صدیقی اور عہد فاروقی کے ابتدائی زمانے تک یہی عمل رہا، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کو دیکھا کہ تنہا تنہا تراویح کی نماز پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے سب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں جمع کیا، اور نماز عشاء کے بعد پہلے باجماعت ۲۰ رکعت نماز تراویح پھر ۳ رکعت وتر کا باضابطہ سلسلہ شروع کیا، حضرت عبدالرحمٰن قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو

دیکھا کہ لوگ مختلف جماعتوں کی شکل میں علیحدہ علیحدہ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں، اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ واللہ! میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بہت اچھا ہے اور حضرت عمرؓ نے سب کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسری رات مسجد کی طرف نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا طریقہ ہے۔ (مؤطا امام مالک، باب ماجاء فی قیام رمضان) نماز تراویح کی اس نئی شکل کو جس کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو چکا تھا امت کے سوادِ اعظم نے قبول کیا اور چودہ سو سال سے اسی طریقہ کو اپنے دین وایمان کا حصہ بنایا۔

یوں تو رمضان خود عبادت کا مہینہ ہے لیکن نماز تراویح مقدس ماہ صیام کی خصوصی عبادت ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے مالک حقیقی کا قرب حاصل کرتا اور پورے رمضان اس سنت کو ادا کر کے اس کی رضا جوئی کرتا ہے، قرآن وحدیث میں قیام اللیل (رات کی نماز) کی بڑی تاکید آئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بارہا اس کا حکم دیا گیا، جب بندہ پوری یکسوئی کے ساتھ نماز میں مشغول ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا قریب ہوتا ہے؛ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرائض کے بعد اگر کسی چیز سے اللہ تعالیٰ کا قرب سب سے زیادہ حاصل کیا جاسکتا ہے تو وہ نوافل ہیں اور اگر نوافل کو احسانی کیفیت کے ساتھ ادا کریں تو قرب ومعیت کے ان اعلیٰ مراتب کو حاصل کر سکتے ہیں جو دیگر عبادتوں سے ممکن نہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ''تم اس طرح اللہ کی عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کم از کم اتنا خیال ضرور رکھو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ (متفق علیہ) یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے نماز تراویح کو فرائض و مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کی تاکید کی ہے، کسی بھی عمل کے بارگاہِ خداوندی میں شرفِ قبولیت پانے کے لئے سب سے پہلی شرط اس عمل کا صحیح ہونا ہے یعنی اس عمل کا ظاہری ڈھانچہ بھی صحیح ہو اور اس کا باطن بھی صاف ہو اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے عین مطابق انجام دیا جائے، اور اس کے فرائض واجبات کا بھی خیال رکھا جائے اور سنن ومستحبات کی بھی رعایت کی جائے، اور وہ عمل ان تمام باتوں اور کاموں سے بالکل پاک وصاف ہو جو اس کو فاسد کر دیتے ہیں تب کہیں یہ عمل بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوگا، اعمال کے ظاہری وباطنی اثرات اسی وقت مرتب ہوتے ہیں جب اسے آداب ومستحبات کے ساتھ انجام دیا جائے، ورنہ اعمال کا بے جان ڈھانچہ تو ہوگا اس میں کوئی روح نہیں ہوگی۔

رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں جہاں دیگر عبادتوں میں بہت ساری کوتاہیاں اور خرابیاں داخل

ہوگئی ہیں وہیں نماز تراویح کے معاملے میں کئی خرابیاں معاشرے میں واقع ہوگئی ہیں، اوّل یہ کہ عام طور سے لوگ نماز تراویح کو بہ زبانِ حال بوجھ سمجھنے لگے ہیں، خاص طور سے تجارت پیشہ لوگ پورا رمضان اپنی مصروفیتوں اور تجارتی سرگرمیوں اور حقیر دنیوی منافع کی وجہ سے تراویح چھوڑ دیتے ہیں، جبکہ رمضان المبارک تراویح اور دیگر عبادتوں کے ذریعہ اخروی منافع حاصل کرنے کا مہینہ ہے، اور بعض لوگ چند روز تو خوب شوق سے تراویح میں شریک ہوتے ہیں، پھر تین، چار دن گزرتے ہی چھوڑ بیٹھتے ہیں، مسجدیں جو چاند رات کو بھری بھری نظر آتی ہیں آہستہ آہستہ خالی ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ بعض مساجد میں دو تین مصلیوں کو ہی دیکھا جاتا ہے، یہ حضرات پورے رمضان میں ایک قرآن مجید مکمل نہیں سنتے ہیں اور نہ تمام رمضان تراویح پڑھتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ چھ یا دس روز کی تراویح میں پورا قرآن سن کر تراویح چھوڑ دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ پورا قرآن تو سن لیا اب تراویح کی ضرورت نہیں حالاں کہ پورے ماہ تراویح پڑھنا مستقل سنتِ موکدہ ہے۔

تراویح کے تعلق سے دوسری خرابی جو ہمارے معاشرہ میں پھیلتی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ تراویح میں ایسے حافظ کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے جو رفتار کے ساتھ قرآن کریم پڑھتا ہو، اور کم سے کم وقت میں تراویح ختم کرتا ہو، چاہے کچھ سمجھ میں نہ آئے، اگر کوئی حافظ اطمنان کے ساتھ صاف صاف مخارج کی رعایت کے ساتھ پڑھتا ہے تو اسے یہ کہہ کر رد کیا جاتا ہے کہ تراویح میں وقت بہت لگ رہا ہے، ضعیف حضرات کی رعایت نہیں کی جارہی ہے، حالاں کہ ترتیل وتجوید سے قرآن پڑھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، قرآن کریم کی تلاوت اس طرح ہو جس طرح وہ نازل ہوا، اور اس کے نزول کی کیفیت حق تعالیٰ نے بیان فرمایا وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا (الفرقان:۳۲) ہم نے اسے ترتیل کے ساتھ نازل کیا ہے، اور ترتیل کے ساتھ ہی پڑھنے کا حکم دیا گیا؛ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا (المزمل:۴) اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ (ابوداؤد) اپنی آواز سے قرآن کو مزین کرو، اور ایک جگہ ارشاد فرمایا حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الحسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا (شعب الایمان) اچھی آواز سے قرآن پڑھو کیونکہ اچھی آواز قرآن کریم کے حسن کو بڑھا دیتی ہے

ان احادیث میں قرآن کریم کو مخارج حروف کی رعایت کرتے ہوئے صاف صاف پڑھنے کا حکم ہے جبکہ بے تجوید پڑھنے پر وعید بھی ذکر کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن خود ان پر لعنت کرتا ہے (الحدیث) اسی لئے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ بغیر تجوید قرآن پڑھنے والا مستحق ثواب نہیں ہوتا؛ بلکہ گنہ گار ہوتا ہے،

تراویح کے سلسلہ میں تیسری خرابی یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ لوگ پورا رمضان تراویح پڑھنے کے بجائے

شبینوں کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اسلئے معاشرے میں شبینوں کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، بہت سے حفاظ دس دن یا چھ دن یا تین دن میں قرآن سناتے ہیں اب حد تو یہ ہوگئی ہے کہ ایک رات میں پوری قرآن یا ایک رکعت میں ایک قرآن سنانے کو باعث افتخار سمجھا جانے لگا ہے، یہ نہ صرف تراویح کی توہین بلکہ قرآن کریم کی بھی توہین ہے، ایسے شبینوں میں اکثر حفاظ کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہوتی ہے، اکثر تو ایسا پڑھتے ہیں کہ **یعلمون تعلمون** کے علاوہ کچھ پتا نہیں چلتا، اتنی عجلت کے ساتھ پڑھاتے ہیں کہ سامعین آواز تو سنتے ہیں، الفاظ کے سننے سے محروم رہتے ہیں، بعض اوقات تو جو سورتیں یاد ہیں، وہ بھی ایک تیز ہوا کے جھونکے کی طرح گذر جاتیں ہیں الفاظ و حروف بگاڑ کر کم سے کم وقت میں قرآن کریم کا بیشتر حصہ تلاوت کر لیتے ہیں، اور نماز کے مستحبات کی رعایت تو بہت دور کی بات ہے فرائض وواجبات کی بھی رعایت نہیں کی جاتی، اکثر حفاظ ثناء، تعوذ، تسمیہ چھوڑ دیتے ہیں، قعدہ اولیٰ ہو یا اخیرہ، التحیات کے بعد بغیر دعا و درود کے سلام پھیر دیا جاتا ہے، مصلیوں کے ارکان واذکار کی رعایت نہیں کی جاتی، جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک درود شریف چھوٹ جائے تو نماز ہی درست نہیں ہوگی، اسی طرح فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن کے زیادہ مقدار میں پڑھنے سے زیادہ اہمیت بہتر پڑھنے کی ہے اور بہتر پڑھنے سے مراد خوش آوازی ہی نہیں ہے؛ بلکہ تجوید کی رعایت کے ساتھ اس طرح پڑھنا ہے کہ سننے والے کو اچھی طرح قرآن سمجھ میں آئے، ہمارے اکثر اکابر کا معمول پورے رمضان تراویح میں صرف ایک قرآن پڑھنے کا تھا حالانکہ ان کا قرآن بہت پکا ہوتا تھا، یہ تمام خرابیاں امام کی جانب سے پیش آتی ہے تو دوسری طرف شبینوں میں مقتدی حضرات بھی غلطیاں کرنے سے پیچھے نہیں رہتے، امام جب لمبی قرأت میں لگا رہتا ہے تو مقتدی حضرات پیچھے بیٹھ کر فضولیات بکتے ہیں، اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہوکر انتظار کرتے ہیں کہ کب امام رکوع میں جائے تو ہم تراویح میں شامل ہو؛ جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ حکم دیا ہے کہ جب قرآن کریم پڑھا جارہا ہو تو غور سے سنو اور خاموش رہو (الاعراف) اور قرآن کریم کی تلاوت کو نہ سننا کافرین اور منافقین کا شیوہ ہے، اس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ یہ کافرین کہتے کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں خلل ڈالو تا کہ تم غلبہ پاسکو (فصّلت ۲۶) دورانِ تلاوت باتیں کرنا، ہنسی مزاق کرنا، امام کے رکوع میں جانے کا انتظار کرنا نہ صرف قرآن کریم کی توہین ہے بلکہ نماز اور آدابِ مسجد کے بھی خلاف ہے، پھر یہ کہ تراویح میں پورا قرآن کریم پڑھنا یا سننا مستقل سنت ہے، ایک آیت بھی چھوٹ جاتی ہے تو قرآن کریم کی تکمیل نہیں ہوتی، جو حضرات پیچھے بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں غور کرنا چاہئے کہ رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں تراویح جیسی عبادت کو ادا کر کے ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن جب واپس ہوتے ہیں تو نہ قرآن مکمل ہوتا ہے اور نہ ثواب کی امید ہوتی ہے بلکہ گناہوں کا بوجھ لئے واپس ہوتے ہیں۔

تراویح کے سلسلہ میں چوتھی خرابی مائک کا بے جا اور غلط استعمال ہے اکثر مساجد اور تراویح گاہوں میں بیرونی ساؤنڈ باکس لگا کر تراویح پڑھانے کا رواج بھی بہت عام ہوتا جارہا ہے، جس کی وجہ سے ہر سننے والے پر ۱۴ رسجدے بھی واجب ہوتے ہیں اور ان کو ادا کرنا اکثر یاد نہیں رہتا تو گنہ گار ہوجاتے ہیں، کہیں کہیں تو رات بھر مائک پر شبینہ پڑھایا جاتا ہے، اور تیز آواز سے پورا علاقہ گونجتا ہے، اور محلہ کے اکثر لوگ کھانے پینے اور دوسری ضروریات میں مشغول ہوتے ہیں اور خواتین گھروں میں کام کاج اور دیگر مصروفیتوں میں ہوتیں ہیں، رات کا وقت ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ نیند کی آغوش میں ہوتے ہیں، ضعیف اور بیمار حضرات مسلسل آواز کی وجہ سے بے چینی محسوس کرتے ہیں تو قرآن مجید پوری توجہ اور انہماک سے نہیں سن پاتے، اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو محتاجِ بیان نہیں، یہ کلامِ الٰہی کی توہین اور بے حرمتی ہے اور اس بے حرمتی کا سبب وہ لوگ بنتے ہیں، جو مائک پر قرآن مجید کی آواز نشر کرتے ہیں، قرآن مجید اس لیے نازل نہیں ہوا کہ کسی کی نیند میں خلل ڈالا جائے، بیماروں اور ضعیفوں کو تکلیف دی جائے، مائک کے شوقین حضرات کے لیے یہ لمحۂ فکریہ ہے، اس پر غور کر کے اصلاح کرنے کی ضرورت ہے اور بہت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ قرآن کی بے حرمتی و بے ادبی گناہ کبیرہ ہے، فقہاء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مسجد کے اندر بھی امام کو ایسی آواز میں قرأت کرنی چاہئے کہ جماعت کے شرکاء سنیں اس سے زیادہ بلند آواز میں قرآن مجید نہیں پڑھنا چاہئے۔

ہماری جانب سے ہونے والی کوتاہیوں میں سے ایک کوتاہی یہ ہے کہ ۲۶ رمضان کے بعد تراویح کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ قرآن کریم ختم ہو چکا ہے اب تراویح کی ضرورت نہیں اس لئے مسجدیں عموماً ۲۶ رمضان کے بعد سے خالی خالی نظر آتی ہے، اس وقت تجارت اور شاپنگ عروج پر ہوتی ہے اور لوگ عید کی تیاری میں اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ تراویح کی طرف توجہ نہیں دیتے، جب کہ پورے رمضان نماز تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے اور تارکِ سنت گناہ گار ہوتا ہے، ہمارے اکابر کا پورے رمضان تراویح پڑھنے کا معمول تھا وہ لوگ دیگر کام رمضان سے پہلے ہی مکمل کر لیتے اور رمضان کو خالص عبادت کے لئے رکھتے، تراویح میں تلاوتِ قرآن کو اس انداز میں ترتیب دیتے کہ پورے مہینہ میں ایک قرآن مکمل ہوجاتا۔

خواتین کی تراویح میں بہت ساری خرابیاں پائی جاتی ہے پہلے تو خواتین تراویح کے معاملہ میں بہت کوتاہی کرتی ہیں، بعض ناواقف خواتین تو یہ سمجھتی ہیں کہ تراویح صرف مردوں کے لئے سنت ہے عورتوں کے لئے نہیں، اس لئے وہ پورے رمضان تراویح جیسی اہم عبادت سے محروم رہ جاتیں ہیں، جبکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ تراویح مردوں کی طرح عورتوں پر بھی سنت مؤکدہ ہے، اس کے چھوڑنے پر خواتین سے۔۔۔۔(بقیہ صفحہ:۱۱ پر)

فضائل وآداب

مساجد کا ادب واحترام اور ہم اہل اسلام

مفتی شیخ آصف علی سعید قاسمی

ماہ مبارک کا آغاز ہو چکا تو اور دنوں کے بالمقابل نمازیوں کی تعداد مساجد میں بکثرت نظر آنے لگی، وعظ ونصیحت، تلاوت وذکر، نماز باجماعت، افطار، تراویح، شب بیداری، اعتکاف اور دیگر عبادات کے لئے لوگ بکثرت مساجد سے مربوط نظر آرہے ہیں، ایسے میں آدابِ مساجد کی طرف دھیان کم ہوجاتا ہے اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مساجد کے ادب واحترام کو بیان کیا جائے؛ تاکہ ہم ماہِ مقدس اور اس کے علاوہ ایام میں مساجد کا احترام ملحوظ رکھیں اور بے ادبی کے وبال سے بچیں۔

مسجد اسلامی زندگی کا محور:

مسجد نماز کی جگہ، عبادت گزاروں کی قیام گاہ، رحمت کے نزول کا مرکز ہے اور ایک گونہ کعبہ کے مشابہ ہے، مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑی فکر یہی تھی کہ خدا کی عبادت کے لئے مسجد تعمیر کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی سہل اور سہیل دو یتیم بچوں کی زمین تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلا کر اُن سے وہ زمین خرید لی اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا صحابۂ کرامؓ کے ساتھ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعمیری کاموں میں لگے رہے، کیوں کہ مسجد اسلامی زندگی کا ایک ایسا محور ہے جس کے گرد ہی مسلمانوں کی پوری زندگی گردش کرتی ہے اس کے بغیر کسی اسلامی بستی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو ہدایت دی گئی تھی کہ مصر میں کچھ عمارتوں کو مخصوص کرکے ان میں نماز باجماعت کا نظام قائم کرو اور ان کو مسلمانوں کی زندگی کے لئے محور ومرکز قرار دے کر اپنی منتشر قوموں کو جمع کرو، وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ. اسی طرح خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد تعمیر کرنے اور ان کو آباد رکھنے کی طرح طرح سے رغبت دلائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے خدا کی خوشنودی کے لئے مسجد تعمیر کی اس کے لئے اللہ جنت میں ایک حویلی بناتے ہیں (مشکوۃ: ۶۹۷) مسجد تعمیر کرنے سے مراد مسجد کی عمارت بنانا ہے لیکن مسجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ اُس میں خدا کی عبادت کی جائے اور نماز باجماعت کا

*استاذ شعبہ عالمیت، ادارہ ہذا

نظم کیا جائے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ مقصد پورا نہ ہوتو پھر مسجد تو دوسری عمارتوں کی طرح محض ایک عمارت رہ جائے گی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو (بخاری) خدا کو اپنی اس بھری دنیا میں زمین کے وہی حصے سب سے زیادہ عزیز ہیں جن پر خدا کی مسجدیں آباد ہیں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مؤمنوں کو مسجدوں سے غیر معمولی تعلق نہ ہو، حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خدا کے نزدیک ان بستیوں میں سے سب سے زیادہ محبوب مقام ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض مقام ان بستیوں کے بازار ہیں (مسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے شغف وتعلق اور مسجدوں کی دیکھ بال کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے اور یہ ہدایت فرمائی ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے میں جو لوگ مسجدوں سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں اور مسجد کی خدمت ان کا محبوب مشغلہ ہے وہ لوگ صاحب ایمان ہیں، تم ان کے ایمان پر گواہ رہو اور ظاہر ہے کہ مسلم معاشرے میں ایسے ہی لوگ قدر وعظمت کے لائق ہیں۔

مسجد کے آداب:

(۱) مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے دایاں پاؤں رکھنا چاہئے اور پھر درود شریف پڑھ کر وہ دعا پڑھنی چاہئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے پھر یہ دعا ''اللھم افتح لی ابو اب رحمتک'' (مسلم) اور مسجد میں داخل ہوتے وقت رحمت طلب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں رحمت کا لفظ روحانی اور اخروی نعمتوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسے قرب خداوندی، جنت اور دیدار الٰہی وغیرہ یہ سب روحانی اور اخروی نعمتیں ہیں سورۂ زخرف میں ہے تیرے رب کی رحمت اس دنیا سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں اور مسجد چونکہ اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کی ہی جگہ ہے اس لئے رحمت کے دروازے کھولنے کی درخواست کی گئی۔ (۲) مسجد میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے دو رکعت نفل تحیۃ المسجد پڑھنا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے (متفق علیہ) تحیۃ المسجد سے مراد وہ نماز ہے جو مسجد میں داخل ہونے والے کے لئے پڑھنا مسنون ہے مسجد چونکہ خدا کی عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہے اس لئے اس کی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ وہاں داخل ہوتے ہی آدمی خدا کے حضور سجدہ ریز ہوجائے اور اگر کوئی داخل ہونے کے بعد فرض نماز پڑھ لے یا اور کوئی سنت یا واجب ادا کرلے تو وہی تحیۃ المسجد کے قائم مقام بھی ہوجائے گی تحیۃ المسجد دو رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں اور دو سے زیادہ بھی۔ (۳) مسجد میں سکون، عاجزی اور وقار کے ساتھ اس طرح بیٹھنا چاہئے کہ دل پر خدا کی عظمت اور ہیبت چھائی ہوئی ہو، مسجد میں شور کرنا، ہنسی مذاق کرنا، دنیوی حالات پر تبصرے کرنا، خرید وفروخت کرنا مسجد

کی حرمت وتعظیم کے خلاف ہے، مسجد کی عظمت واحترام کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی ڈرتا لرزتا اس میں داخل ہو اور نہایت سکون اور انکساری کے ساتھ جہاں جگہ ہو وہاں بیٹھ جائے، یہ بھی انتہائی غلط ہے کہ آدمی امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہونے اور رکعت پانے کے لئے مسجد میں دوڑے، دوڑنا احترام مسجد کے خلاف ہے، رکعت ملے یا نہ ملے مسجد میں نہایت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ دبے پاؤں چلنا چاہئے۔ (۴) مسجد میں بدبودار چیزیں لے کر یا بدبودار چیزیں کھا کر نہ جانا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لہسن، پیاز کھا کر کوئی ہماری مسجد میں نہ آئے اس لئے کہ جس چیز سے انسانوں کو تکلیف پہونچتی ہے اُس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (متفق علیہ) (۵) مسجد کو کوڑے کرکٹ، گرد وغبار، میل کچیل اور قابل نفرت چیزوں سے صاف رکھنا چاہئے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ صاف اور خوشبودار رکھی جائیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اچانک اس کا انتقال ہو گیا لوگوں نے اس کو زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوئے دفن کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اطلاع نہ کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا اور آپ کو اطلاع دی گئی کہ وہ مرگئی اس کو معمولی واقعہ سمجھتے ہوئے دفن کر دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبر پر تشریف لے گئے اس کے لئے دعا مغفرت کی اور فرمایا اس خاتون کا سب سے اچھا عمل یہ تھا کہ یہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی (بخاری، مسلم، ابن ماجہ) (۶) مسجد میں ایسے چھوٹے بچوں کو بھی نہ لے جانا چاہئے جو پیشاب یا پاخانہ کے لئے نہ کہہ سکیں اور یہ اندیشہ ہو کہ یہ کہے بغیر پیشاب پاخانہ کر دیں گے یا تھوکیں گے اور مسجد کی بے حرمتی ہوگی۔ اسی طرح ان کم عقلوں اور دیوانوں کو بھی مسجد میں نہ آنے دینا چاہئے جو پاکی ناپاکی کا شعور نہ رکھتے ہوں۔ (۷) مسجد کو گزرگاہ نہ بنانا چاہئے، مسجد کے دروازے میں داخل ہونے کے بعد مسجد کا حق یہ ہوجاتا ہے کہ آدمی اس میں نماز پڑھے، یا بیٹھ کر ذکر وتلاوت کرے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے یونہی غفلت کے ساتھ گزر جانا مسجد کی بے حرمتی ہے، اگر کبھی بھولے سے کوئی داخل ہو جائے تو یاد آنے کے بعد واپس ہو جانا چاہئے۔ (۸) اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو مسجد میں زور زور سے اس کا اعلان نہ کرنا چاہئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اگر کوئی شخص اس طرح اعلان کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے اور فرماتے "لا رد اللہ علیک ضالتک" خدا تجھ کو تیری گم شدہ چیز نہ دلوائے" (مسلم)۔ (۹) مسجد میں بیت بازی یا اشعار کی مجلس منعقد کرنا ممنوع ہے، ہاں اگر کوئی مقرر تقریر میں اصلاحی اشعار پڑھے یا حمد یا نعتیہ شاعری کا انعقاد ہو تو اس کی اجازت ہے جیسا کہ منبرِ رسول پر بیٹھ کر صحابہ نبی کی موجودگی میں حضرت حسانؓ کی شاعری سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۱۰) مسجد سے دلی تعلق اور محبت رکھنی چاہئے اور ہر نماز کے وقت نہایت ذوق وشوق کے ساتھ مسجد جانا چاہئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: قیامت کے ہیبت ناک دن میں جب عرشِ الٰہی کے سوا کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن سات قسم کے آدمی عرشِ الٰہی کے سایہ میں ہوں گے ان میں ایک وہ ہوگا جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہے۔ (بخاری) یعنی اس کو مسجد سے انتہائی شغف ہو اور ہر وقت اس کو مسجد ہی کا دھیان رہتا ہو، ایک وقت کی نماز سے فارغ ہو کر آئے تو دوسری وقت کی نماز کے لئے گھڑیاں گنتا رہتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ''صبح وشام مسجد کی طرف جانے والوں کے لئے اللہ صبح وشام مہمانی کا سامان تیار کرتا ہے'' (بخاری ومسلم) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتا ہے تو اس کے مسجد پہونچنے پر خدا ایسا خوش ہوتا ہے جیسے کہ کسی مسافر کی سفر سے واپسی پر گھر والے اس سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ (ابن خزیمہ) (۱۱) مسجد کے صحن میں کلی کرنا، وضو کرنے کے بعد چھینٹے پھینکنا مکروہ ہے بعض لوگ وضو کر کے بعد چہرے اور کلائیوں پر ہاتھ پھیر پھیر کر مستعمل پانی کے قطرے مسجد میں گراتے ہیں ایسا کرنا بھی مسجد کی بے ادبی ہے اس طرح کسی کے پیر یا لباس وغیرہ میں مٹی یا کیچڑ لگ جائے تو اس کو مسجد کی دیوار یا ستون یا مسجد کے پردے یا چٹائی وغیرہ سے پوچنا بھی مکروہ ہے۔ (۱۲) جنابت یا حیض یا نفاس کی حالت میں مسجد میں نہ جانا چاہئے کسی ناگزیر ضرورت یا واقعی مجبوری کے بغیر مسجد میں جانا مکروہ تحریمی ہے۔ (۱۳) مسجد میں سونا یا بیکار لیٹ کر وقت گنوانا مکروہ ہے، البتہ مسافروں کو ٹھہرنے اور سونے کی اجازت ہے۔ (۱۴) مسجد میں ایسا لباس پہن کر نہ جانا چاہئے جس میں ستر کھلتا ہو مثلاً نیکر پہن کر یا تہبند اوپر چڑھا کر نہ جانا چاہئے بلکہ ستر پوش لباس سے آراستہ ہو کر ادب کے ساتھ داخل ہونا چاہئے۔ (۱۵) مسجد کا دروازہ بند نہ کرنا چاہئے تاکہ جس وقت جو شخص چاہے جا کر نماز ادا کر لے البتہ جہاں سامان وغیرہ چوری ہونے کا اندیشہ ہو وہاں مسجد کا دروازہ بند کر سکتے ہیں لیکن نماز کے وقت بہر حال دروازہ کھلا رہنا چاہئے، عام حالات میں مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (۱۶) مسجد میں اذان اور جماعت کا باقاعدہ نظم ہونا چاہئے اور ایسے لوگوں کو اذان دینے اور امامت کرنے کے لئے منتخب کرنا چاہئے جو مسجد میں آنے والے تمام نمازیوں میں بحیثیت مجموعی دین واخلاق کے اعتبار سے افضل ہوں، جو محض اجر آخرت کی طلب میں یہ فریضہ انجام دیں۔ حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے اپنی قوم کا امام بنا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے امام ہو تم کمزوروں کا خیال رکھنا اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اذان دینے کا معاوضہ نہ لے'' (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی) (۱۷) مسجد کو آباد رکھنے کا پورا اہتمام کرنا چاہئے۔ مسجد کو آباد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں خدا کی عبادت کی جائے اور لوگ ذکر وفکر اور تلاوت ونوافل

میں مشغول ہوں خدا کا ارشاد ہے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ ۙ (النور آیت ۳۶) ''ان عمارتوں میں جن کی نسبت خدا کا یہ حکم ہے کہ ان کو اونچا اٹھایا جائے اور ان میں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے'' یعنی مسجدوں کا حق یہ ہے کہ ان کی تعظیم وتکریم کی جائے اور ان میں ذکر وفکر اور عبادتِ الٰہی کا اہتمام کیا جائے۔ یہ مؤمنوں کا حق اور فریضہ بھی ہے اور ان کے ایمان کی شہادت بھی قرآن میں ہے: اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ (التوبۃ آیت ۱۸) اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد رکھتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں؛ لیکن آج کے دور میں عام طور پر لوگ مسجدوں کو نقش ونگار سے سجانے اور رنگ وروغن سے آراستہ کرنے کا تو غیر معمولی اہتمام کرتے ہیں، لیکن مسجدوں کو آباد رکھنے اور خدا کی عبادت کی سعادت حاصل کرنے سے غافل رہتے ہیں حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مجھے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا حکم نہیں دیا گیا ہے''۔ (ابوداؤد) (۱۸) مسجد کی چھت پر پاخانہ، پیشاب کرنا اور جنسی ضرورت پوری کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اگر کسی نے گھر کے کسی حصے میں مسجد بنالی ہو تو پورے گھر پر مسجد کے احکام نافذ نہ ہوں گے صرف اتنا ہی حصہ مسجد کے حکم میں ہوگا جو نماز کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اسی طرح وہ مقامات بھی مسجد کے حکم میں نہیں ہیں جو عیدین کے لئے نماز جنازہ کے لئے مقرر کر لئے گئے ہوں (۱۹) عام حالات میں کسی پیشہ ور کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد میں بیٹھ کر اپنا کام کرے البتہ اگر ایسا شخص مسجد کی حفاظت کے لئے مقرر ہو اور وہ مسجد کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ضمنی طور پر اپنا کام کر لے مثلاً کوئی درزی سلائی کا کام کر لے یا کوئی کاتب کتابت کا کام کر لے تو یہ جائز ہے۔ (۲۰) مسجد سے نکلتے وقت پہلے بایاں پیر باہر رکھنا چاہئے اور پھر یہ دعا پڑھنا چاہئے اللھم انی اسئلک من فضلک، اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل وکرم کا طالب ہوں۔ اور فضل کا اطلاق دنیوی نعمتوں پر کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ الجمعۃ میں فرمایا گیا ہے کہ ''جب تم نماز جمعہ ادا کر لو تو زمین میں پھیل اور خدا کے روزی تلاش کرو، اور مسجد سے نکل کر عام طور پر آدمی معاش کی تلاش میں لگتا ہے، اس لئے فضل خداوندی یعنی دنیوی نعمتیں طلب کرنے کی تلقین فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان آداب پر صدفی صد عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دعوتِ فکر ونظر (۱)

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی

دنیا مسلمانوں سے قائم ہے اور مسلمان دینی مدارس سے

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی*

چینی مسلمانوں کے خوش کن حالات

گذشتہ چند ماہ قبل راقم الحروف آبادی میں دنیا کے سب سے بڑے ملک چین کے دعوتی دورہ سے واپس ہوا تو اس کے لیے وہاں کی غیر معمولی صنعتی وتجارتی ترقی تو متاثر کن تھی ہی لیکن بحیثیت ایک مسلمان اور مدرسہ کے ایک طالب علم کے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ وہاں کے مسلمانوں کی دین پر استقامت تھی جو دین ومذہب کے حوالہ سے گذشتہ پون صدی کے ناگفتہ بہ حالات اور ان پر ہونے والے انسانیت سوز مظالم کے باوجود محض فضل خداوندی سے ان کے حصہ میں آئی تھی، اکثر چینی مسلمان حتی کہ نوجوان بھی نمازوں کے پابند اور داڑھی وٹوپی میں نظر آئے، چین کے تجارتی شہر (Yoo) میں جب میں نماز جمعہ کے لیے پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خطبہ سے بہت پہلے ہمارے اکثر چینی مسلمانوں سے پوری مسجد بھری ہوئی ہے، میں تین سال قبل فلسطین کے شہر بیت المقدس میں مسجد اقصی میں نماز جمعہ کی سعادت حاصل کر چکا تھا، لیکن وہاں میرے لیے خون کے آنسو رونے کا مرحلہ تھا، یہ دیکھ کر کہ دنیا کی تیسری سب سے بابرکت مسجد اقصی میں ہمارے فلسطینی بھائی خطبہ جمعہ کے شروع ہونے کے بعد بھی بمشکل 2/3 صف کے برابر نہیں تھے اور عین جماعت کے وقت پوری مسجد ان سے بھر گئی تھی۔

ماضی میں چین کی بہت ساری ریاستیں سنکیانگ، لینگ ھسیا اور لانسو وغیرہ مسلم اکثریتی صوبوں کی حیثیت سے اسلامی تاریخ میں ہمیں نظر آتے ہیں، لیکن بعد میں کمیونسٹوں کی حکمرانی میں ان کو اپنے دین ومذہب پر عمل پیرا ہونے کے لیے جن آزمائشوں سے گذرنا پڑا وہ نہ صرف اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کا ناقابل یقین حصہ تھا، بڑے ہی کٹھن مراحل سے وہاں کے مسلمانوں کو گذرنا پڑا، ان لوگوں نے تہہ خانوں میں چھپ چھپ کر اپنے ایمان کی حفاظت کی اور اپنے بچوں کو قرآن مجید سکھایا جبکہ ان کے لیے قرآن مجید کے مصاحف کو اپنے

*استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گھروں میں رکھنا ایسا ناقابل معافی جرم تھا کہ اس کی سزا پھانسی سے کم نہیں تھی۔

یہی صورتحال سوویت یونین کی مسلم ریاستوں کی بھی ہے

مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کی کچھ اسی طرح کی داستان ماضی قریب میں سوویت یونین یعنی روس کی مسلم ریاستوں کی بھی رہی ہے ازبکستان، قزاقستان، ترکمانستان، تاجکستان، آذربائیجان اور کرغیز یا وغیرہ میں مسلم اکثریتی آبادی کے باوجود اسلام پر عمل پیرا ہونا تو درکنار غلطی سے نام لینا بھی اس ملک کے خلاف بغاوت سے بھی بڑا جرم تھا، وہاں کے دینی مدارس پر جو آج برصغیر میں دیوبند وندوہ سے بھی بڑے اور قدیم وتاریخی تھے تالے لگائے گئے، مساجد کو آثار قدیمہ میں بدل دیا گیا، اذان پر پابندی تھی، قرآن مجید کی تلاوت واشاعت ممنوع تھی، شعائر اسلام کے اظہار پر امتناع تھا، لیکن چینی مسلمانوں کی طرح ان روسی مسلمانوں نے بھی پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا جا کر اور قبرستانوں میں بڑے بڑے گڈھے کھود کر اور اس میں چھپ چھپ کر نہ صرف اپنے بلکہ اپنی نئی نسلوں کے ایمان کو محفوظ رکھا، سابق روسی صدر گورباچیف کے عہد میں مسلمانوں کے لیے مذہبی آزادی کا سلسلہ شروع ہوا تو ۱۹۹۰ء میں تاجکستان میں پہلی دفعہ مسلمانوں کو رمضان میں روزے رکھنے اور مساجد میں جا کر نماز عید ادا کرنے کی اجازت ملی، تاشقند میں دوبارہ سات کروڑ کی لاگت سے ایک بہت بڑے دینی مدرسہ کا قیام عمل میں آیا اور ازبکستان میں ۱۵۰ مساجد کو دوبارہ کھولا گیا۔

لیکن اسپین میں ایسا کیوں نہیں ہوا.....؟

چین ہو یا روس کی مسلم ریاستیں، ترکی کی عثمانی خلافت ہو یا مشرق بعید کی اسلامی حکومتیں سب جگہ اسلام کو دبانے کی کوششیں کی گئیں اور کچھ مدت تک ان سب جگہوں پر مسلمان مغلوب ومظلوم بھی رہے، لیکن اسلام کا سورج پہلے سے زیادہ آن بان اور بہتر شان کے ساتھ وہاں دوبارہ طلوع ہوا اور ان کے خاکستر میں چھپی ہوئی چنگاریوں نے وہاں کے مسلم باشندوں کو اسلام کی طرف لانے میں اہم رول ادا کیا، چین سے واپسی کے بعد میں کئی دنوں تک یہی سوچتا رہا اور یہ سوال مجھے بے چین کرتا رہا کہ چین وروس کی طرح کبھی ماضی میں بحر اوقیانوس سے متصل واقع اسپین یعنی اندلس میں بھی ہماری حکمرانی تھی، ۷۱۱ء سے ۱۴۹۲ء تک ۷۸۱ سال مسلسل مسلمان پوری آزادی سے وہاں حکومت کرتے رہے، اسپین کی ہماری اسی مسلم حکومت نے پہلی دفعہ یوروپ میں موجود جہالت کی تاریکیوں میں علم کی شمعیں روشن کیں اور مغرب کو سائنسی وصنعتی اور طبی وتعمیری میدانوں میں متعارف کرایا، وہاں کے مسلمانوں کے تعمیر کردہ فن تعمیر کے نمونے چودہ سو سال گذرنے کے باوجود آج بھی سر اٹھا اٹھا کر اپنی عظمت رفتہ کا پتہ دے رہے ہیں، قرطبہ کا قصر الزہراء اور الحمراء کے تعمیری شاہ کار کے کھنڈرات آج بھی کسی

تاج محل سے کم نہیں، اس زمانے میں دینی لحاظ سے بھی اندلسی مسلمان اچھی حالت میں تھے، اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت صرف قرطبہ شہر میں سات سو مساجد تھیں، لیکن افسوس کہ ۱۴۹۲ء میں ابوعبداللہ کی آخری حکمرانی کے بعد وہاں باقی رہنے والے مسلمانوں کی کچھ جماعتوں نے تو اپنا ایمان بچا کر افریقی ممالک کی طرف ہجرت کی اور جو مسلمان وہاں رہ گئے وہ کچھ دنوں کے بعد دین سے نکل گئے اور بعد میں ان کی نسلیں بھی ارتداد والحاد کا شکار ہوگئیں اس طرح کہ کچھ دنوں کے بعد خود ان کو پتہ بھی نہیں رہا کہ کبھی ان کے آباء واجداد بھی دین اسلام کے حامل اور دین حق کے پیروکار تھے، میری سمجھ میں بہت دنوں تک یہ بات نہیں آئی کہ روس وچین کے مسلمانوں کی طرح اسپینی مسلمانوں کی طرف سے دین پر استقامت کے وہ نمونے کیوں دیکھنے میں نہیں آرہے ہیں۔

اس کی بنیادی وجہ

۱۹۹۵ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتھم نے مسلم روسی ریاستوں کا دعوتی دورہ کیا تھا، واپسی پر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی نے جو اپنی بے پناہ دینی بصیرت وفراست کے ساتھ نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں اس کا ایک دلچسپ سفرنامہ ''سمرقند وبخارا کی بازیافت'' کے نام سے تحریر کیا تھا، جب میں نے اس سفرنامہ کو دوبارہ پڑھا تو مجھے اسپین میں مسلمانوں کے دین پر قائم نہ رہنے کی وجہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی اور اس کا سرا ہاتھ لگ گیا، مولانا نے اس میں مسلم ریاستوں میں پیدا ہونے والی اسلامی بیداری کے پس منظر کا دعوتی تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ماوراء النہر کے یہ تمام علاقے اسلامی نقطہ نظر سے اپنا شاندار ماضی رکھتے تھے اور اس وقت یہاں کے مسلمانوں نے دینی تعلیم کے مدارس ومراکز کے قیام پر پوری توجہ دی تھی، اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں صرف بخارا شہر میں ڈھائی سو دینی مدارس تھے، گویا اس وقت روسی مسلمانوں کو واپس اسلام کی طرف لانے میں ماضی کے انھیں دینی مدارس نے اہم رول ادا کیا تھا، جب میں نے اسپین کے مسلمانوں کی تاریخ کا از سر نو مطالعہ کیا تو مجھے وہاں سوائے ان دینی مدارس کے ہر چیز نظر آئی پھر بات سمجھ میں آئی کہ اسی بنیادی چیز کی کمی ہی نے نہ صرف ان کو الحاد وارتداد تک پہنچایا بلکہ ان کی نسلوں کو بھی دین کی طرف دوبارہ لوٹنے پر آمادہ نہیں کیا، اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوئی کہ علامہ اقبال جب اسپین کے دورہ سے واپس آئے تو انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں سے صاف کہا کہ یہاں سے اگر ہمارے دینی مدارس ومکاتب کا یہ سلسلہ ختم ہوجائے گا تو صاف سن لو کہ ہمارے ملک کی بھی وہی حالت

ہوجائے گی جو میں اسپین میں دیکھ کر آیا ہوں کہ دینی مدارس کے نہ ہونے کی وجہ سے آج وہاں مسلمانوں کا نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے، اس لیے اے مسلمانو!''ان مدارس ومکاتب کو اسی حالت میں رہنے دو، حالانکہ اسپین کے دورہ سے قبل علامہ اقبالؒ مرحوم ہمارے ان مدارس کے تعلق سے کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے لیکن اسپین کے دورہ نے ان دینی مدارس کی اہمیت ان کے دل میں بٹھادی''۔

مذکورہ بالا دعوتی تجزیوں سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اسلام کی عظمت رفتہ کی بازیافت میں ہمارے ان مدارس ومکاتب کا کس قدر بنیادی اور اہم رول ہے، اور عالم اسلام میں ہمیں اس وقت نظر آنے والے غیر متزلزل اور قابل رشک ایمان کی جھلکیاں ہمارے ان مدارس ہی کی بدولت نظر آرہی ہیں۔

دنیا مسلمانوں سے قائم ہے اور مسلمان دینی مدارس سے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب تک اس روئے زمین پر اللہ اللہ کہنے والا رہیگا یہ دنیا قائم رہے گی اور جس دن یہ لوگ اٹھ جائیں گے، دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی یعنی قیامت آجائے گی، بالفاظ دیگر اللہ تعالی نے اس دنیا کو صرف مسلمانوں کی وجہ سے قائم رکھا ہے اور اللہ کے پاس ایک ادنی مسلمان بھی اس پورے دنیاوی نظام پر بھاری ہے، عالم اسلام کے موجودہ ناگفتہ بہ حالات پر جب ہم بصارت کے بجائے بصیرت کی نگاہ دوڑاتے ہیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت خالص دین اور حقیقی اسلام صرف ہمارے ان مدارس اسلامیہ ومکاتب دینیہ ہی کی بدولت قائم ہے، تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ تصور کرلیں اگر اس وقت روئے زمین پر مدارس اسلامیہ کی شکل میں دین کے یہ قلعے نہ ہوتے اور علمائے حق یہاں سے فارغ ہوکر امت کی رہنمائی نہیں کرتے تو ملت اسلامیہ کا اس وقت کیا حال ہوتا، ظاہر بات ہے کہ حق باطل کے ساتھ خلط ملط ہوجاتا، حلال کے نام سے حرام کی ترویج ہوتی، روشن خیالی اور ترقی پسندی کے نام سے غیر اسلامی وغیر شرعی چیزوں کو بھی اسلام اور شریعت کا نام دیا جاتا، احکام ومسائل کی تحقیق صحیح قرآنی ونبوی ہدایات کے مطابق نہیں ہوتی، شریعت کی تشریح ایک مذاق بن کر رہ جاتی اور ان سب کے نتیجہ میں دین سے عامۃ المسلمین کی وابستگی برائے نام رہ جاتی، اللہ تعالی جزائے خیر دے ہمارے اسلاف بالخصوص برصغیر کے علماء کو کہ انگریزوں کی غلامی سے ملک کو آزاد کرنے کی تحریک کے پس منظر میں انہوں نے دینی مدارس قائم کرکے اور بعد میں ان کے جانشینوں نے جگہ جگہ اس کا جال بچھا کر نہ صرف مغربی تہذیب وثقافت سے ملت اسلامیہ کو دور رکھا بلکہ شرک وکفر کی آلودگیوں سے ان کی حفاظت کا سامان فراہم کیا اور توحید اور عقیدہ سے ان کو وابستہ رکھنے کے لیے مدارس کی شکل میں ایک قیمتی واسطہ فراہم کیا، مسلم اقلیت میں ہونے اور یہاں اسلامی حکومت کے نہ ہونے کے باوجود ہمارے ان دینی مدارس کی وجہ

سے ہی آج پورے عالم اسلام میں ہمارے ملک ہندوستان کو تمام بڑی دینی تحریکات اور دینی قیادت کا مرکز تصور کیا جارہا ہے۔

اب تو دینی تعلیم کے فوائد دنیا ہی میں نظر آرہے ہیں

دینی تعلیم کا حصول دراصل اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور اس پر جو بے پناہ نوازشات خداوندی کا وعدہ ہے اس کا تو مشاہدہ مرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے لیکن اس زمانہ میں ہمارے کمزور ایمان کو دیکھتے ہوئے اللہ رب العزت نے دینی تعلیم کے فوائد کچھ دنیا میں بھی ظاہر کرنے شروع کردیئے ہیں، اس لیے اب ان مدارس کے بھولے بھالے خیرخواہوں کو جو مدارس کے فارغین کی مادّی ترقی کی آڑ میں اس کے نظام ونصاب میں عصری علوم کی شمولیت کے داعی ووکیل بن کر اس کی اصل روح سے ان مدارس کو محروم کرنے کی کوشش کررہے ہیں کچھ کہنے کا موقع نہیں رہ جاتا ہے، ذیل کے کچھ واقعات سے آپ اس کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

دوسال قبل میرا علی گڑھ جانا ہوا تھا، مسلم یونیورسٹی میں اکیڈمک اسٹاف کالج (U.G.C) کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی صاحب نے اپنے چھوٹے بچہ سے ملاقات کراتے ہوئے بتایا کہ وہ عصری تعلیم کے ساتھ الحمدللہ حفظ قرآن مجید کی سعادت سے مالا مال ہورہا ہے، اسی طرح برطانیہ میں زیر تعلیم اپنے بڑے لڑکے کے متعلق بھی بتایا کہ وہ بھی وہاں برطانوی یونیورسٹی میں دن بھر پڑھائی میں مشغول رہنے کے باوجود رات کو اپنے کمرہ میں آکر ایک دور کوع روزانہ حفظ کرکے یہاں ہندوستان میں علی گڑھ میں اپنی والدہ کو یاد کیا ہوا وہ حصہ سناتا ہے، اس طرح اس نے قرآن کا بڑا حصہ عصری تعلیم کے ساتھ حفظ کرلیا ہے اور جلد اس کے حافظ قرآن بننے کی امید ہے، ڈاکٹر صاحب کے خاندانی دینی پس منظر اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے نواسے ہونے کی وجہ سے مجھے اس پر حیرت نہیں ہوئی لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کے بہت سارے پروفیسر صاحبان ادھر دوتین سال سے اپنے بچوں کو اسکولوں وکالجس کی تعلیم کے ساتھ پارٹ ٹائیم حفظ کرارہے ہیں تو مجھے تعجب ہوا کہ ان میں سے بعض لوگوں کے لیے تو پانچ وقت کی نماز کا پابندی سے اہتمام بھی دشوار ہے تو اس کے باوجود ان میں کلام اللہ سے اس قدر محبت وتعلق کا پس منظر کیا ہے؟ میرے اس استعجاب پر میرے میزبان نے بتایا کہ ادھر چند سالوں سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی میڈیکل وانجینیرنگ کی محدود سیٹوں کے لیے ہزاروں طلباء کے درمیان جو مسابقتی امتحانات ہورہے ہیں تو ان میں عصری تعلیم کے ساتھ حفظ کرنے والے حفاظ طلباء ہی امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوکر فری سیٹوں کے مستحق بن رہے ہیں، دوسرے الفاظ میں حفظ کلام اللہ کی برکت سے ان کی ذہانت میں غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے اور اسی لالچ میں دھڑا دھڑ لوگ اپنے بچوں کو اب حافظ قرآن

بنا رہے ہیں، میری زبان سے بے ساختہ نکلا کہ وہ دن دور نہیں کہ اگر غیر مسلموں کو بھی معلوم ہو جائے تو وہ بھی اس فارمولہ کو اپنانے کے لیے اپنے بچوں کو حافظ قرآن بنائیں گے اور اسی بہانے انشاء اللہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کے فیصلے بھی ہوں گے۔ (جاری۔۔۔۔۔)

ماہ رمضان

از: اظہار الحق اظہرؔ بستوی، حیدرآباد

ماہ رمضاں خدا کا اک انعام ہے
ماہ رمضاں میں انساں کا اکرام ہے
اس مہینے میں برکت بھی ہوتی ہے خوب
اور نگاہ کرم رب کی اٹھتی ہے خوب
مغفرت کے سبھی باب کھل جاتے ہیں
اور گنہ سارے بندوں کے دھل جاتے ہیں
ہر عمل میں ہی اس سے سوا ملتا ہے
ایک کے بدلے ستر گنا ملتا ہے
پہلا رحمت ہے اور دوسرا مغفرت
تیسرا عشرہ ہے آگ سے عافیت
یہ مہینہ اخوت، مساوات کا
اس کا پل پل ہے انوار و برکات کا
ہے تراویح اس میں عبادت بڑی
شان جس سے جھلکتی ہے قرآن کی
ہے شبِ قدر رحمت و نعمت لیے
اور ہزاروں مہینوں کی برکت لیے

*صدر شعبہ دینیات اذان انٹرنیشنل اسکول

سارا قرآں اسی شب کی سوغات ہے
رب کے سب فیصلوں کی یہی رات ہے

امت مسلمہ پہ ہے انعام خاص
دوسروں کو نہ حاصل تھا یہ اختصاص

ہیں جو طالب وہی لوگ اسے پائیں گے
ورنہ جگتے ہوئے لوگ سوجائیں گے

نارِ دوزخ سے بچنے کا ساماں کرو
تر ندامت کے اشکوں سے داماں کرو

روز آتی فلک سے ہے پیہم صدا
مغفرت کے طلبگار مانگیں دعا

آج رحمت کو میری بہت جوش ہے
بخش دوں گا جو مجھ میں ہی مدہوش ہے

مغفرت کا طلب گار جب روتا ہے
اس کا اللہ اس کو سکوں دیتا ہے

آغوش رحمت حق بڑھاتی ہے ہاتھ
ڈھانپ لیتی ہے عاصی کو شفقت کے ساتھ

الغرض! یہ مہینہ ہے فصل بہار
جس میں بندے کو ملتا ہے رب کا جوار

ہے یہ اس کے لیے جو مسلمان ہے
بہر اغیار یہ کلفت جان ہے

نظم 'رمضاں' کی توفیق جو مل گئی
پھر تو اظہرؔ کے دل کی کلی کھل گئی

نقوشِ رفتگاں

اک مردِ حر تھا، خلد کی جانب رواں ہوا

آہ! حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی بجنوری نوراللہ مرقدہ

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

زندگی موت کی امانت ہے، موت ایک اٹل حقیقت ہے، گردش لیل ونہار کا رقص ہر سمت جاری ہے، کیا چھوٹے کیا بڑے، کیا بچے کیا بوڑھے، کیا مشہور کیا گم نام، ہر ایک اس کی آغوش میں سمارہے ہیں، ہر روز بے شمار انسان منوں مٹی تلے دبا دیئے جاتے ہیں کہ کانوں کان کسی کو خبر نہیں ہوتی؛ مگر بعض مقدس ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی رحلت پر صدیاں اور زمانے اشک بار ہوجاتے ہیں، ان ہی بابرکت شخصیات میں ایک نمایاں نام محدث عصر، ادیب وقت، قائد جمعیت، شارح بخاری، نمونۂ اسلاف، استاذ الاساتذہ، حضرت مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کا بھی ہے جو بہ تاریخ ۲۳ رشعبان، ۱۴۳۸ھ بروز ہفتہ بوقت سحر اپنے متعلقین ومنتسبین اور ہزاروں تلامذہ ومعتقدین کو روتا بلکتا چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

قحط الرجال کے اس دور میں آپ کا وجود مسعود ملت اسلامیہ کیلئے ایک عظیم سرمایہ اور قیمتی اثاثہ تھا، طویل عرصہ تک تشنگان علوم ومعارف آپ سے اکتساب فیض کرتے رہے، اور آپ عشق ومعرفت اور علم وحکمت کے خم کے خم لنڈھاتے رہے کہ یکا یک آپ کی رحلت نے ہر دردمند دل کو مغموم کردیا، ہر کوئی رنجور وحزیں، افسردہ وغمگیں ہوگیا؛ اور کیوں نہ ہو کہ دیکھتے ہی دیکھتے ستم روزگار نے عالم اسلام کو ایک عظیم محدث اور مایہ ناز مفکر کے ساتھ ساتھ محسن قوم وملت سے بھی ہمیشہ کے لئے محروم کردیا۔

جس وقت علمی وادبی حلقوں میں یہ خبر بجلی بن کر گری ایسا محسوس ہورہا تھا کہ اس الم ناک خبر نے دل ودماغ کو ہر دوسرے موضوع سے بے گانہ کردیا ہے، ہر طرف محشر بپا ہے، شور ہے ہنگام ہے ہر کوئی ماتم کناں ہے، رنج ہے کہرام ہے۔

یہ سچ ہے کہ ہر جانے والا اپنے پیچھے ایسا مہیب خلا چھوڑ جاتا ہے کہ اس کے پُر ہونے کی امید کم ہی نظر آتی ہے؛ مگر جہاں تک علم کے حروف ونقوش، کتابی معلومات اور فن کا تعلق ہے تو اس کے لئے پھر بھی مناسب افراد مہیا ہوجاتے ہیں؛ لیکن جماعت ومسلک کا ٹھیٹھ مزاج ومذاق، اسلاف سا تقویٰ وطہارت، بزرگوں سی سادگی

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

وقناعت اور تواضع وللّٰہیت، جو کتابوں سے نہیں، بلکہ صرف اور صرف بڑوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، اس کا کوئی متبادل نہیں ملتا اور یہ ایسا خلاء ہے کہ دور دور تک اس کے پر ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اللھم لا تحرمنا أجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفر لنا ولہ

مختصر سوانحی خاکہ:

آپ کا اسم گرامی، محمد ریاست علی، تخلص، ظفر۔ والد محترم کا نام، جناب منشی فراست علی صاحب۔ آبائی وطن بجنور۔ آپ کی ولادت، ۹/مارچ ۱۹۴۰ء کو محلہ حکیم سرائے، علی گڑھ میں ہوئی، وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ سے ادیب کامل کیا۔

چوں کہ کم عمری ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا؛ اس لئے آپ کے پھوپھا حضرت مولانا سلطان الحق صاحب بجنوری (ناظم کتب خانہ دار العلوم دیوبند) آپ کے کفیل وسرپرست رہے اور آپ ہی کے ہمراہ ۱۹۵۱ء میں دار العلوم دیوبند بہ غرض داخلہ تشریف لائے اور ۱۹۵۸ء میں سند فضیلت حاصل فرمائی۔

مولانا کی ذہنی وتخلیقی صلاحتیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے سال سب سے ممتاز اور نمایاں نمبرات سے کامیابی حاصل کی، بعض کتابوں میں نمبرات کا معیار یہ تھا کہ مجوزہ ۵۰ نمبرات میں ۵۵ نمبرات بھی دیئے گئے۔

مختصر یہ کہ آپ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولی وہ شرافت اور دینداری میں ضرب المثل تھا اور جن اساتذۂ کرام سے شرفِ تلمذ حاصل کیا وہ رشد وہدایت کے روشن مینار اور علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے۔

دینی وملی خدمات:

فراغت کے بعد مختلف دینی، علمی شعبوں سے وابستہ رہے، جمعیت علماء کے شعبہ نشر واشاعت میں بھی کام کیا، فن کتابت سیکھی اور اس کو بھی ذریعۂ معاش بنایا، اپنے طور پر درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا پھر ۱۹۷۲ء میں دار العلوم دیوبند ہی کے موقر استاذ بنائے گئے۔

درس وتدریس کے علاوہ آپ ۱۴۰۲ھ تا ۱۴۰۴ھ دار العلوم دیوبند کے موقر رسالے ماہ نامہ دار العلوم کے مدیر رہے، ۱۴۰۵ھ میں آپ کو مجلسِ شوری نے ناظمِ مجلسِ تعلیمی نام زد کیا اور ۱۴۰۸ھ میں آپ کو شیخ الہند اکیڈمی کا نگراں مقرر کیا گیا؛ علاوہ ازیں آپ جمعیت علماء ہند کے تقریباً ۱۰/سال نائب صدر رہے اور اس اثناء میں مختلف دینی علمی سرگرمیوں کی سرپرستی ونگرانی بھی فرماتے رہے۔

آپ کی مختلف دینی، علمی، ملی، ادبی خدمات کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ دار العلوم دیوبند آپ کی ہمہ جہت

خدمات کا معترف ہے، شیخ الہند اکیڈمی آپ کے ادبی ذوق اور علمی وتحقیقی مزاج کی گواہ ہے، جمعیت علماء آپ کی بے لوث قیادت وسیادت پر شاہد ہے، ایضاح البخاری آپ کے عشق رسول اور تبحر علمی کی دلیل ہے، نغمہ سحر ایک قادر الکلام بلند رتبہ شاعر کی بہترین تخلیق ہے اور ترانۂ دار العلوم وجمعیت؛ آپ کی عبقریت ونابغیت، اعتدالِ فکر وپاکیزگیٔ مذاق کا ترجمان ہے۔

اوصاف حمیدہ:

آپ کا قد درمیانہ پستی مائل، روشن وسفید چہرہ؛ جس سے نورانی شعائیں پھوٹتیں، کشادہ اور تجلیاتِ حق سے منور پیشانی، خندہ رخسار جن سے جلالت علمی عیاں رہتی، کھلا سینہ جو اسرار ورموز کا مخزن اور معارف وحقائق کا خزانہ تھا، پتلے لب جو بوقت تبسم پھولوں سے بھی خوش تر لگتے، قدرے گھنی اور خوبصورت داڑھی جو اتباع سنت کا نشان بنی رہتی، گفتگو میں آہستگی، ٹھہراؤ اور لازوال شیرینی، خوش خلقی اور خوش مزاجی موسلا دھار بارش کی طرح فیض رساں رہتی۔

آپ جہاں ایک متبحر عالم، مقبول مدرس، ماہر منتظم، عظیم دانشور اور بلند حوصلہ قائد تھے وہیں اردو کے زبردست نقاد، خوش فکر وخوش کلام شاعر اور بہترین، صاحب طرز ادیب بھی تھے، آپ صبر واستقامت اور تسلیم ورضا کے پیکر، مستقبل بینی، دوراندیشی اور مضبوط قوت ارادی کے مالک، سادہ انداز، شگفتہ مزاج، خوردنواز، خندہ رو اور وضع دار تھے، آپ کی زندگی کا ہر پہلو ستاروں کو جلا بخشنے والا اور حیات کا ہر لمحہ راہِ حق کے مسافروں کی راہنمائی کرنے والا ہے، آپ علم وفضل کے منبع اور تواضع وانکساری کے مرقع تھے، علماء کی آنکھوں کا تارا اور تلامذہ کا بہترین سہارا تھے، مدرسین کی محفل کا نور اور اساتذہ کے دلوں کا سرور تھے، سامعین کے لیے خوش بیاں اور قارئین کے لئے خوش نویس تھے، ملت کے لیے مفکر ومدبر اور افرادِ امت کے لیے بلند پایہ عالم دین اور بااعتماد قائد تھے۔

احاطۂ دار العلوم میں آپ کا درس بے حد مقبول تھا، عرصے تک ابن ماجہ شریف آپ کے سپرد رہی پھر ترمذی شریف کا درس آپ سے متعلق ہوا، ہر طالب علم آپ کے حلقہ درس میں جانے، بیٹھنے اور تعلیم حاصل کرنے میں سعادت محسوس کرتا؛ جس طالب علم کو آپ بیٹا کہہ کر پکار دیتے دوسرے طلباء اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھنے لگتے۔

آپ جذبۂ خدمت خلق سے سرشار، ہر دم وہر آن طلبہ کے لئے خیر خواہ تھے، دوران طالب علمی دیگر غیر درسی مشغولیات کے سخت مخالف تھے، دار العلوم دیوبند میں منعقد ہونے والی مختلف اصلاحی نشستوں میں طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے عموماً ارشاد فرماتے کہ موقع کو غنیمت سمجھو اور باہر سے کورس کرنے کے چکر میں مت پڑو اور اپنے مخصوص انداز میں یوں فرماتے: دے دیا امتحان! ہو گیا داخلہ! لے لیا فارم! جانے لگے باہر! پڑھنے لگے انگریزی! مل گئی ڈگری!۔

روشن شبِ حیات کے مہتاب کی طرح
آتی ہے ان کی یاد حسیں خواب کی طرح
ممکن نہیں کہ ان سے زمانہ ہو بے نیاز
وہ تھے جہاں میں گوہر نایاب کی طرح

تصنیفات وتالیفات:

ایضاح البخاری: فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے علوم ومعارف کا گنجینہ ہے؛ جسے حضرت مولانا ریاست علی صاحبؒ نے نہایت عرق ریزی اور دیدہ وری سے مرتب فرمایا، اگر یہ لکھا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ بخاری شریف کی تمام اردو شروحات میں سب سے بے نظیر کوئی شرح ہے تو وہ ایضاح البخاری ہے۔

شوریٰ کی شرعی حیثیت: مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کی ایماء پر مرتب کردہ معرکۃ الاراء ضخیم کتاب؛ جس میں شوری کی اہمیت وافادیت، اس کی شرعی ودینی حیثیت اور مدارس اسلامیہ کے لئے اس کی ناگزیر ضرورت پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے؛ اور حضرت والا کے سلیس قلم نے موضوع کی خشکی کو عجب چاشنی میں تبدیل کر دیا۔

نغمہ سحر: آپ کا شعری مجموعہ کلام ہے؛ جو ندرت آفرینی، جادو بیانی اور جاذبیت وکشش میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے علاوہ ''تسہیل الاصول'' نامی رسالہ اور ''مقدمہ تفہیم القرآن کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' بھی آپ کے بلند پایہ علمی وتنقیدی ذوق پر شاہد عدل ہے۔

وفات:

ان کی زندگی جہد مسلسل، عمل پیہم، یقین محکم کی آئینہ دار تھی، جہادِ زندگانی میں انہوں نے انہی شمشیروں سے کام لیا تھا، حیات مستعار کے آخری چند ماہ مستقل عوارض وامراض کی نذر ہوئے؛ جن سے وہ جانبر نہ ہو سکے، بالآخر ان کا آفتاب زندگی مورخہ 21 مئی 2017 بروز یک شنبہ افق عالم سے غروب ہو گیا۔

فراست کی جہاں بانی کے فرزانے کی رحلت ہے
حریم ناز عنقا ہے صنم خانے کی رحلت ہے
نسیم بادیہ کی اشک افشانی کا چرچا ہے
صدائے آہ و ہو سے اک انوکھا شور برپا ہے
ہتھیلی پر کلیجے ہیں دلوں میں کیف عنقا ہے
نشیمن زد میں آیا ہے عجب صرصر کا غوغا ہے

نقوشِ رفتگاں قسط(۱)

حضرت مولانا حمید احمد صاحبؒ

سیرت، حیات وخدمات

شہر نظام آباد کے معروف اور صاحبِ خدمت بزرگوں میں ایک حضرت مولانا حمید احمد صاحبؒ بھی ہیں، موصوف جامع مسجد نظام آباد کے خطیب اور اہلِ حق کے سرپرست تھے، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے خُسر بھی تھے، عرصہ ہوا انتقال ہوکر مگر مولانا کا تعارفی خاکہ بعد کے علماء کے سامنے نہ آسکا، محترم اکرم ترمذی صاحب زید مجدہ کو مولانا کے صاحبزادے بھائی عرفان احمد مرحوم کے انتقال پر اُن کی یاد آئی اور یہ مضمون سپردِ قرطاس کردیا گیا جو قارئین اشرف الجرائد کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ از: مدیر غفرلہٗ

1947 میں ہندوستان آزاد ہوا تو سب کی زبان پر یہی تھا کہ یہ ریاست بھی بس کچھ ہی دن کی مہمان ہے، اس صورتحال کے پیش نظر کچھ بہی خواہوں نے مولانا کو مشورہ دیا کہ سرکاری اسکولوں میں مدرس کے کئی پوسٹ تقرر طلب ہیں، ابھی موقعہ ہاتھ سے گیا نہیں ہے آپ درخواست دیں تو کام بن سکتا ہے، لیکن ان کے توکل واستغنا نے اس کی اجازت نہ دی، شائد وہ ہر طرح کے نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ ہوچکے تھے۔ بقول شاعر ؎

وہ عزم رکھتا ہوں جو حادثوں میں پلتا ہے
ہوائے تندوتیز میں میرا چراغ جلتا ہے

1948ء میں ریاست کے ساتھ ملازمت بھی چلی گئی، لیکن انہوں نے ہمت نہ ہاری اور ساری زندگی دین وملت کی خدمت اور اسلامی شعار کے عام کرنے میں گزار دی اور خودداری پر کبھی آنچ نہ آنے دی ؎

کسی کے آگے کیا کریں دست طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا سرہانے دھرے دھرے

میرے والد محترم مولانا سید شریف حسین ترمذی علیہ الرحمۃ سے ان کے بڑے دیرینہ مراسم تھے، ضلع نظام آباد میں تقریباً بارہ برس تک دونوں انجمن اسلامیہ کے تحت کام کرتے رہے، وہاں والد محترم نہ صرف انجمن

اسلامیہ کے مدرسہ کے مہتمم تھے بلکہ نظام آباد کی جامع مسجد اور عیدگاہ کی امامت وخطابت کی ذمہ داری بھی محکمۂ امورِ مذہبی نے انہیں ہی دے رکھی تھی، اس کے ساتھ ان دونوں بزرگوں کا رشتہ دارالعلوم دیوبند اور ضلع بجنور سے بھی تھا، مولانا حمید احمد صاحبؒ کا وطن نہٹور تھا اور والد ماجد نگینہ کے ساکن تھے، ستمبر 1947ء میں سرکاری اسکول نلگنڈہ میں تقرر کے بعد انہوں نے انجمن اسلامیہ کے مہتمم کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور نلگنڈہ میں بحیثیت مدرس جائزہ حاصل کرلیا تھا، کیوں کہ ابھی تک نظام کی حکومت قائم تھی اس لئے انہیں نلگندہ کی جامع مسجد اور عیدگاہ کی امامت وخطابت کی اعزازی ذمہ داری بھی سونپی گئی تھی، جس کا سلسلہ تادم حیات یعنی 1985ء تک قائم رہا، دونوں دوست ایک دوسرے کے تادم حیات ہم دم ودم ساز تو تھے ہی لیکن مولانا حمید احمد صاحب کی رحلت 1971ء کے بعد تو ان کے اخلاف کے ساتھ مولانا ترمذی کا یہ تعلق اور گہرا ہوگیا تھا۔ 1951ء میں نلگنڈہ کی جامع مسجد کے جلسہ میں خطابت کے لئے تائے ابا کو والد محترم نے مدعو کیا وہ تشریف لائے، جلسہ کے بعد والد ماجد نے انہیں روک لیا اور یہاں مذہبی بیداری اور دین داری کے فروغ کے لئے ان کے مواعظ کا سلسلہ شروع کروایا، مختلف محلوں میں عشاء کے بعد ان جلسوں کا اہتمام کیا جاتا تھا، خواتین کے لئے پردہ کا معقول انتظام ہوتا تھا، لوگ پروانہ وار ان جلسوں میں شرکت کرنے لگے، ان مواعظ حسنہ نے جہاں تائے ابا کو مقبولیت اور ہر دل عزیزی عطا کی وہیں لوگ اپنے دینی ونجی مسائل کی یکسوئی کے لئے ان سے رجوع ہونے لگے وہ نہ صرف شرعی مسائل کے ذیل میں لوگوں کی تشفی کرتے بلکہ مختلف امراض کے علاج کے لئے چٹکلے بھی بتاتے بلکہ ضرورت ہوتی تو دوائیں بھی بنا کر دیتے، طب یونانی پر ان کی گہری نظر تھی، اس طرح مختلف علاقوں میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوگیا لیکن ان سفروں میں قیام مسجد ہی میں کرتے تھے۔ خود ہر طرح کی تکلیف گوارا کرلیتے مگر کسی کے زیر بار احسان نہ ہوتے۔

ان کے قیام نلگنڈہ کے دوران ایک رات قریباً دس بجے میں مسجد گڑھی گیا تو دیکھا کہ مسجد کی ایک کمان میں ان کا رومال پردہ کی طرح لٹکا ہوا ہے دوسرا سونے کے لئے بچھا کر رکھا ہے۔ میں نے کہا آج سردی بہت ہے اس رومال سے کیا ہوگا، فرمایا کہ کچھ تو سہارا ہی ہوجائے گا بیٹے! آج تن آسانی اور تعیش پسندی کے اس دور میں یہ باتیں ایک فسانہ معلوم ہوتی ہیں، دارالعلوم دیوبند سے فارغ بیشتر علماء کرام نے اپنی ساری زندگی سفر ہو یا حضر دین کی خدمت کے لئے مشقت اور مجاہدہ میں گزار دی اور کبھی زبان سے اف تک نہ کی، مولانا کا تقویٰ اور پرہیزگاری سے چوں کہ چولی دامن کا تعلق تھا اس لئے وہ خاردار جھاڑیوں کے درمیان سے دامن بچا کر گذرنے کا ہنر جانتے تھے۔

وہ حق گوئی اور بے باکی میں عدیم المثال تھے۔اس معاملے میں وہ اپنی جان کی بھی پروانہ کرتے تھے، چنانچہ جب ان کے علم میں یہ بات آئی کہ نواب میر عثمان علی خان بہادر والیٔ ریاست حیدرآباد دکن نماز جمعہ عام طور پر باغ عامہ کی شاہی مسجد میں ادا کرتے ہیں اور ان کے حکم پر وقت بے وقت نماز پڑھادی جاتی ہے تو ان سے رہا نہ گیا، جان ہتھیلی پر لے کر قبل از وقت ہی وہاں جا پہنچے، حاکم وقت جلوہ افروز ہوئے اور خطیب کو حکم دیا کہ خطبہ کا آغاز کیا جائے۔مولانا فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ سرکاری عالی مقام! نماز جمعہ اور ظہر کے لئے زوال آفتاب کا مکمل ہوجانا شرعی لحاظ سے ضروری ہے اور ابھی زوال کا آغاز ہی نہیں ہوا اس لئے نماز کیسے ہوسکتی ہے؟ اتنا سننا تھا کہ والیٔ ریاست کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا، خشم ناک نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا، ویسے بھی جب وہ آپے سے باہر ہوتے تو بڑے دریدہ دہن ہوجاتے تھے، ان کے روبرو اس طرح کی جسارت کبھی کسی نے کیوں کی ہوگی اس وقت ایک اشارہ بھی کرتے تو سر قلم کر دیا جاتا لیکن بقول شاعر ؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

بادشاہ نے غیض وغضب سے بے قابو ہو کر کہا ''تو کس کھیت کی مولی ہے، تجھ جیسے سینکڑوں مولوی میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں، تو کس کے زوال کی بات کرتا ہے، تیری اماں کا زوال، تیری خالا کا زوال، تیری آپا کا زوال؟۔۔۔'' ادھر وہ گرج رہے ہیں اُدھر ان کا دل شاداں ومطمئن کہ حاکم وقت کے آگے جان ہتھیلی پر لے کر حق گوئی کی جسارت کر ہی ڈالی، بڑے دل گردے کی بات تھی، نماز کے بعد جب خطیب صاحب جانے لگے تو تائے ابا ان کے قریب پہنچے، انہوں نے حاکم وقت کے آگے بھی حق گوئی میں تامل نہ کیا تو امام کو کب بخشنے والے تھے، سوال کیا کہ آپ تو مولوی ہیں! قبل از وقت آپ نے نماز کیسے پڑھادی؟ خطیب صاحب نے بڑا دل چسپ جواب دیا کہا کہ ''یہاں میں نے ڈیوٹی ادا کی ہے، نماز پڑھنے دوسری مسجد جارہا ہوں''

1954ء کی بات ہے، ہم مغل پورہ میں مقیم تھے ایک روز تائے ابا آئے، شائد پروگرام پہلے سے طئے تھا والد محترم کے ساتھ کہیں جانے کے لئے پیدل ہی روانہ ہوئے، صغرسنی کے باوجود میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا، کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک مسجد میں داخل ہوئے، عصر کے بعد کا وقت تھا وہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے، جن کا تعلق حیدرآباد کے صف اول کے مشائخین کرام میں بھی نہایت ممتاز تھا، ہم سلام اور مصافحہ کر کے بیٹھ گئے، ان کے سامنے مریدوں اور معتقدین کی قابل لحاظ تعداد حلقہ زن تھی، نیاز مندوں میں جو بھی آتا ان کے آگے سجدہ ریز ہوجاتا، جب کئی لوگوں نے یہ حرکت کی تو تائے ابا کا پارہ چڑھ گیا اور غصہ کا پیمانہ لبریز ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایمان کے نور نے ان کے دل کو شعلہ جوالا بنا دیا ہے، کھڑے ہو گئے اور گرج کر فرمایا کہ شاہ صاحب!

جانتے نہیں ہو کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ''میں کرو بولتا ہوں کیا رے میاں'' برجستہ ہو کر کہا ''لیکن ایک حرام کام کو نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے دیکھ کر قدرت ہوتے ہوئے بھی روکنا مناسب نہیں سمجھتا''

میں پریشان تھا کہ اگر ان کے اتنے سارے مرید ہم پر ٹوٹ پڑیں تو قیامت ہو جائے گی، انہوں نے ابا جان کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا دیا اور فرمایا کہ چلئے مولانا! اس شخص کی امامت میں تو نماز بھی غارت ہو جائے گی، سارے لوگ ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم، کی تصویر بنے بیٹھے رہے اور ہم مسجد سے باہر نکل آئے، واقعی علامہ اقبالؒ نے کتنا سچ کہا ہے کہ ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تائے ابا اگر چہ عمدہ کھانوں کے بڑے شوقین تھے لیکن انہوں نے خودداری اور اصول پسندی کا کبھی سودا نہیں کیا اور شریعت کے دامن پر کبھی آنچ آنے نہ دی، وہ ٹوٹ تو سکتے تھے، مڑ نہیں سکتے تھے۔

نلگنڈہ میں جناب عبداللطیف صاحب فوجداری کے بڑے نامی گرامی ایڈوکیٹ تھے، ان دونوں وہ کانگریس کے ٹکٹ پر نلگنڈہ پالیمنٹری حلقہ سے الیکشن میں کامیاب ہو کر ایم پی بھی بن گئے، ان کے صاحبزادی کی شادی تھی، تائے ابا سے بھی ان کے بڑے قریبی مراسم تھے، اس لئے ایڈوکیٹ صاحب نے ان کو خاص طور پر مدعو کیا اور تشریف آوری کے لئے اصرار بھی بہت کیا ادھر ان کو پتہ چل چکا تھا کہ ان کی کوٹھی سیریز بلبس سے جگمگا رہی ہے اور نغمہ طرازی کا سلسلہ بھی زور و شور سے چل رہا ہے، مولانا نے جواب دیا کہ ایک شرط پر میری شرکت ممکن ہے، وہ یہ ہے کہ سیریز بلبس اور نغمہ طرازی کے سلسلہ کو منقطع کیا جائے، انہوں نے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ حیدرآباد سے خاصی تعداد میں مسنٹرس، ایم۔ایل۔ایز اور ایم۔پیز آرہے ہیں۔ علاوہ ازیں علمائے کرام مشائخین عظام اور دیگر معززین بھی تشریف لا رہے ہیں، جب وہاں کے علمائے کرام کو اعتراض نہیں ہے تو آپ کیوں معترض ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کی بات آپ ان ہی سے پوچھئے، کچھ دیر بعد وکیل صاحب نے پھر سے ذہن سازی کی کوشش کی اور کہا کہ دعوت بڑی پر تکلف ہے، کئی قسم کی بریانی، مرغ، تیتر، مچھلی، ہرن، پراٹھے، تندوری روٹی، چار پانچ قسم کے نہایت عمدہ میٹھے، مزید برآں آئس کریم چائے وغیرہ۔ ہر آئٹم حیدرآباد سے ماہر باورچیوں کو بلوا کر نہایت عمدہ بنوایا جا رہا ہے، اس دور میں ایسی دعوتیں حیدرآباد میں بھی کم ہوتی تھی، پولٹری فارمس وجود میں نہیں آئے تھے لیکن یہ ساری ترغیب و تحریص ان پر اثر انداز نہ ہو سکی اور وہ اپنے فیصلے پر قائم رہے۔

رات کھانے پر ہمارے گھر آ گئے، یہاں دسترخوان پر صرف روٹی اور دال تھی، میں نے کہا اتنی عمدہ اور پر تکلف دعوت آپ کے تقوے اور اصول پسندی کی نذر ہوگئی، مسکرا کر فرمایا۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

اس میں شک نہیں کہ آزاد ہند سے قبل جمعیت العلماء بڑی فعال جماعت تھی، خوبئ قسمت کہ اس کو ریاست حیدرآباد میں نہایت قابل، معاملہ فہم اور مستعد صدر مولانا حمید الدین قمر فاروقی سنبھلی فاضل و کامل دار العلوم دیوبند کی صورت میں میسر آیا تھا، ان کے بعد شومئ قسمت کہ علماء کی اس جماعت کی صدارت ایک غیر عالم تاجر کی قسمت میں آئی، نتیجتاً جماعت جمود کا شکار ہو کر روبہ زوال ہونے لگی، کچھ ہی عرصہ میں نئے صدر نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا، تو سب کی نظریں مولانا حمید احمد صاحب پر پڑیں اور انہیں جمعیت العلماء کی صدارت پر فائز کیا گیا۔ انہوں نے اسے پر پرواز لگانے کی کوششیں شروع کی لیکن عمر نے وفا نہ کی اور ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

مسٹر اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ کا نیا نیا دور تھا، نظام آباد میں کچھ شر پسندوں نے دسہرہ کے روز فساد برپا کرنے کا پروگرام بنا دیا وہ چاہتے تھے کہ جلوس کا رخ مقررہ راستے سے اچانک بدل کر مسلمانوں کے محلوں دھارو گلی اور لائن گلی کی طرف کر دیا جائے اور یہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جائے، یہ خبر جب مسلمانوں کو پہنچی تو انہوں نے بھی مدافعت کا منصوبہ بنا لیا، لیکن جب جلوس کو اس جانب موڑ دیا گیا تو مسلمان خوف زدہ ہو کر گھروں سے باہر نہیں نکلے، اس سچویشن نے شر پسندوں کے حوصلے بڑھا دیئے اور دل آزار نعرے بلند کرتے ہوئے بے خطر آگے بڑھنے لگے، اس سنگین صورتحال نے مولانا کی قوت ایمانی کو مہمیز دی، اللہ پر بھروسہ کر کے چہرے پر رومال باندھا اور بے جگری کے ساتھ جلوسیوں پر ٹوٹ پڑے، ہاتھ میں لاٹھی تھی جو اپنا کمال دکھا رہی تھی۔

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ادھر شر پسندوں کے دلوں میں اس خیال نے خوف پیدا کر دیا کہ وہ تنہا اتنے بڑے جلوس پر حملہ کی جسارت نہیں کر سکتے، ضرور جلوس کو چاروں طرف سے گھیرنے کی سازش کی جا رہی ہے اس خیال نے ان کے دلوں میں دہشت پیدا کر دی اور انہوں نے کیروسین کے ٹن اور دیگر اشیاء پھینکتے ہوئے راہ فرار اختیار کی اور مسلمان ایک بڑی تباہی سے بچ گئے۔

مولانا اس مدافعانہ حملے کے عواقب ونتائج سے خوب واقف تھے، لوگوں نے ان کی وضع قطع، لباس، قماش اور چال ڈھال سے انہیں پہچان لیا تھا وہ بڑی تیزی کے ساتھ ریلوے اسٹیشن پہنچے، حسن اتفاق کہ سکندرآباد کی ٹرین تیار تھی، ٹکٹ لیا اور اس میں بیٹھ گئے، ادھر ان کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا ادھر ٹرین سکندرآباد پہنچی، نظام آباد کی پولیس جب تک سکندرآباد کی پولیس کو الرٹ کرتی وہاں سے وجے واڑہ کے لئے روانہ ہو چکے تھے، جہاں ان کے داماد شاہد صاحب رہتے ہیں، پولیس شاہد صاحب کے گھر پہنچنے سے قبل وہ سوریا پیٹھ پہنچ چکے تھے۔ وہاں بھی ان کے داماد مولانا عبدالعزیز صاحب رہا کرتے تھے، اتفاق کی بات ہے کہ ان کی جیب بھی خالی تھی، انہوں نے کسی طرح ٹکٹ کے پیسوں کا انتظام کر کے انہیں نلگنڈہ کی بس میں بٹھا دیا، پولیس وہاں پہنچی تو اسے پتہ چلا کہ نلگنڈہ گئے ہیں، نلگنڈہ میں وہ سیدھے ہمارے گھر آئے، ابا جان اتفاق سے حیدرآباد گئے ہوئے تھے، میں کھانے کے لئے اصرار کیا تو کہنے لگے بیٹے! کھانے کا کسے ہوش ہے گرفتاری کا وارنٹ نکل چکا ہے پولیس تلاش میں سرگرداں ہے، کچھ سوچ کر میرے ساتھ ابا جان کے ایک مخلص دوست کے گھر گئے۔

صورتحال سے آگاہ کر کے کہا کہ دہلی جا کر جمعیت العلماء کے وفد کے ساتھ وزیر اعظم سے نمائندگی کرنی ہے، انہوں نے پچاس روپئے دیئے میں ان کے ساتھ بس ڈپو پہنچا اور انہیں حیدرآباد کی بس میں بٹھا دیا، میں جب گھر پہنچا تو پولیس کو منتظر پایا، انہوں نے ڈپٹ کر پوچھا مولانا کہاں ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ دو گھنٹے قبل انہیں حیدرآباد کی بس میں سوار کر دیا تھا، پولیس نے فوراً حیدرآباد کی پولیس کو الرٹ کر دیا، ادھر مولانا نارکٹ پلی میں اتر کر بھونگیر کی بس میں بیٹھ گئے تھے، مولانا جب بھونگیر کے ریلوے اسٹیشن پہنچے تو دہلی جانے والی جنتا پسنجر ٹرین تیار تھی، ٹکٹ لے کر بعجلت تمام سوار ہو گئے، دہلی پہنچ کر جمعیت العلماء کے آفس گئے، وہاں ان سے سب لوگ اچھی طرح واقف تھے۔ بعد ازاں جمعیت العلماء کے وفد کے ساتھ مسز اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور ریپریزنٹیشن دیا اور کسی نیوز ایجنسی کے توسط سے یہ خبر تمام اخبارات میں شائع بھی کروادی، ان کی گرفتاری کے وارنٹ کی مدت چھ ماہ تھی اس لئے وہ بھی اس دوران وہیں مقیم رہے۔

ہندوستان کی عالمی شہرت یافتہ اسلامی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم دیوبند کا قیام محرم 1283ھ مطابق 1867 میں اہل دل بزرگوں کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا، ان کی نظر دنیا سے زیادہ عقبیٰ پر تھی، اس کے قیام کا مقصد مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح تھا نیز انہیں بے دینی کی گمراہی سے بچا کر صراط مستقیم پر گامزن کرنا تھا دنیا اور حصول دنیا کے چکر میں گرفتار کرنا نہ تھا، چنانچہ والی ریاست حیدرآباد نواب میر عثمان علی خان نے جب یہ پیش کش کی کہ اگر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم درخواست دیں تو ان کی مولوی فاضل وکامل کی سند کو عثمانیہ یونیورسٹی کی

ایم اے کی ڈگری کے مماثل قرار دیا جائے گا تو دارالعلوم دیوبند کے ارباب مجاز نے اس پیش کش کو مسترد کر دیا، کیوں کہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ علماء کرام ہی ملازمتوں کے چکر میں گرفتار ہو کر دنیاداری میں ڈوب جائیں تو اس عظیم درسگاہ کے قیام کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

چنانچہ زمانہ گواہ ہے کہ معاشی و مالی تنگ دستی کے جلو میں رہ کر فارغین دیوبند نے شہر شہر، گاؤں گاؤں دین کی جو خدمت کی ہے اس کی نظیر ملنی مشکل ہے، اس کی زندہ و تابندہ مثال حضرت مولانا حمید احمد صاحب کی ہے ،انہوں نے کام چھوڑا ہے نام نہیں، ان کی خاموش اور بے لوث خدمات کا آج کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔

ایک نشست میں محترم نعیم اللہ خان صاحب امیر جماعت تبلیغی آندھرا پردیش نے بتایا تھا کہ انہوں نے عربی صرف ونحو مولانا حمید احمد صاحب سے پڑھی ہے، پتہ نہیں اور کتنے افراد ہیں جو حصول علم میں ان کے زیر بار احسان ہیں جب بھی موقع ملتا وہ کسی نہ کسی کو علم دین سے آراستہ کرتے ہی رہتے۔

شائد 1960ء کی بات ہے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ بیٹھو ایک مختصر حدیث یاد کرلو، پھر ذرا سی دیر میں وہ حدیث یاد کروادی: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده (بخاری کتاب الایمان) ترجمہ: مسلمان کامل وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ پھر فرمایا کہ اگر مسلمان اس مختصر لیکن جامع و مانع نصیحت پر عمل پیرا ہو جائیں تو باہمی انتشار و خلفشار کا خاتمہ ہو جائے اور زندگی امن و چین سے بسر ہو۔

ان کا وجود ایک شمع فروزاں کی طرح تھا، آپ جہاں جہاں جاتے تھے جہالت کے اندھیروں کو دور کرتے اور علم کی روشنی پھیلاتے تھے، آپ نے اپنی حیات مستعار کو قوم وملت کی امانت سمجھا اور ہر طرح کا عیش و آرام قربان کر کے امت مرحومہ کی بیداری و دین داری کی جدوجہد میں زندگی کی صبح شام کر دی بقول شاعر ؎

شمع کی طرح جییں بزم گہ عالم میں
خود جلیں دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

وہ نہٹور سے ایک غیر معروف اجنبی کی طرح یہاں آئے تھے لیکن ان کی شفقت و محبت ایثار و قربانی، اخلاق و اخلاص اور بے لوث خدمات نے انہیں بہت جلد ماہ درخشان اور مہر تاباں بنا دیا تھا، وہ اپنی زندگی میں کتنے ہی نشیب و فراز طرح طرح کے حالات سے گذرے لیکن کبھی مایوس اور پست ہمت نہیں ہوئے بلکہ ہر بار مخالف نے انہیں ایک نیا عزم و حوصلہ عطا کیا۔

صدر جمعیت العلماء آندھرا پردیش کی حیثیت سے وہ جہد پیہم کے ایک نئے دور کا آغاز کرنا چاہتے تھے کہ

اچانک ان پر فالج کا اس قدر زبردست حملہ ہوا کہ وہ بالکل بے دست و پا ہو کر رہ گئے، انہیں حیدرآباد میں چار مینار کے قریب نظامیہ شفاخانہ میں شریک کر دیا گیا، فالج کے کامیاب علاج کے لئے یہ یونانی ہاسپٹل آج بھی شہرت رکھتا ہے، میں وہاں ان سے ملنے اکثر جایا کرتا تھا، اس حالت میں بھی انہیں پاکی اور نمازوں کا بڑا خیال تھا ایک روز گیا تو فرمایا کہ بیٹا پاٹ میں ضرورت سے فارغ کروا کے طہارت کروادو۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب تیمم کروادو اور پھر اشاروں سے نماز پڑھوانے کو کہا کیوں کہ ہاتھ پیر حرکت سے معذور ہو گئے تھے، اس طرح نماز پڑھوانے کا طریقہ میں نے ان سے ہی سیکھا تھا کسے پتہ تھا کہ ان سے میری یہ آخری ملاقات ہوگی۔

یہاں سے ان کو نظام آباد لے جایا گیا، وہیں 5/اپریل 1971ء کو وقت مدعو آپہونچا، داعئ اجل کو لبیک کہا اور خندہ پیشانی کے ساتھ مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس بے غرض محسن کے آخری سفر میں شرکت کے لئے سارا نظام آباد امنڈ آیا ہے، کشاں کشاں جنازہ شہر خموشاں کی جانب رواں دواں تھا اور پھر منزل پر پہنچ کر انہیں اس آرام گاہ میں اتار دیا گیا جو اپنی خوش بختی پر نازاں کب سے ان کی منتظر تھی حقیقتاً یہ آرام گاہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھی، پھر جب انہیں قبلہ رولٹانے والے وہاں سے باہر نکل آئے تو ایک شور بلند ہوا "منہا خلقنا کم" اسی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا "وفیہا نعید کم" اور پھر اسی میں واپس لوٹائیں گے "ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ" اور اسی سے دوبارہ تم سب کو نکال کھڑا کریں گے۔

لوگ اپنی مٹھی میں مٹی لے کر مزار میں ڈالنے کے لئے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑ رہے تھے بقول شاعر ؎

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقت دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے

اور پھر لوگ آہستہ آہستہ بادیدہ نم لوٹنے لگے، وہ تو وقت مقررہ پر اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے گئے لیکن ان کی یادوں سے آج بھی ہمارے دل منور ہیں ؎

نقش ہیں اب بھی دل میں وہ لمحے
جو ساتھ کبھی تیرے گذارے تھے

کسی کہنے والے نے کس قدر سچ کہا ہے کہ ع

رفتید ولے نہ از دل ما

فقہ وفتاویٰ

احرام سے متعلق چند احکام

ادارہ

پرس کمر میں باندھنا

روپے پیسے کی حفاظت کے لئے کمر میں پٹہ یا پرس وغیرہ باندھنا بلا کراہت درست ہے۔(اللباب:۱/۱۶۸)

احرام کی پابندیاں (مردوں کے لئے)

احرام شروع ہونے کے بعد مردوں کو درج ذیل باتوں کی پابندی کرنا لازم ہے:

(۱) خوشبو استعمال نہ کرے۔(۲) سلا ہوا کپڑا نہ پہنے۔(۳) سر اور چہرہ نہ ڈھانکے۔(۴) بالوں کو نہ کاٹے۔(۵) بدن سے جوں وغیرہ نہ مارے اور نہ گرائے۔(۶) ناخن نہ تراشے۔(۷) جماع یا دواعیٔ جماع اختیار نہ کرے۔(۸) خشکی کے جانور کو نہ چھیڑے اور نہ مارے۔(۹) بند جوتے نہ پہنے۔(شامی:۳/۴۹۵،۵۰۰)

احرام کی پابندیاں (عورتوں کے لئے)

عورت کے لئے بھی وہی پابندیاں ہیں جو مردوں کے لئے ہیں؛ البتہ وہ سلا ہوا کپڑا اور بند جوتا پہن سکتی ہے، اسی طرح سر حسب دستور ڈھانپے گی؛ لیکن چہرے کو اس طرح رکھے کہ اس پر کپڑا نہ لگنے پائے (تاہم اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کی کوشش ضرور کرے)(غنیۃ الناسک:۹۴)

کن ٹوپ لگانا

حالت احرام میں سردی سے بچنے کیلئے ایسا "کن ٹوپ" لگانا جس سے چہرہ یا سر نہ ڈھکے جائز ہے۔

(غنیۃ الناسک:۲۵۵)

احرام میں کیسا چپل/جوتا پہنا جائے؟

احرام کی حالت میں مردوں کے لئے ایسا جوتا پہننا منع ہے جس سے قدم کی اوپری ابھری ہوئی ہڈی ڈھک جائے؛ لہذا اگر ایسا جوتا پہنا جس سے یہ ہڈی اور ٹخنے کھلے رہتے ہیں، تو اس کو بحالت احرام پہننے میں کوئی حرج نہیں۔ (شامی:۳/۵۰۰)

تنبیہ: بعض لوگ احرام میں ہوائی چپل پہننا ضروری سمجھتے ہیں تو ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے؛ بلکہ ہر وہ چپل یا جوتا احرام میں پہننا جائز ہے جس سے ٹخنے اور قدم کی اوپری ہڈی نہ ڈھکتی ہو۔

عورت کا احرام میں دستانے پہننا

عورت کے لئے احرام کی حالت میں ہاتھ میں دستانے پہننا علماء حنفیہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔

(البحر الرائق: ۲/ ۵۶۸)

عورت کا زیور پہننا

عورت کو حالت احرام میں ہر طرح کے زیورات پہننا جائز ہے۔ (طحطاوی: ۷۳۸)

غسل یا وضو کرتے ہوئے بالوں کا ٹوٹ جانا

اگر کسی محرم کے داڑھی یا سر کے بال غسل یا وضو کرتے ہوئے خود بخود ٹوٹ جائیں تو اس صورت میں ہر تین بال کے بدلہ میں ایک مٹھی غلہ یا ہر بال کے بدلہ میں ایک کھجور واجب ہوگی، اور احتیاط کرنی چاہئے کہ بدن کے بال ٹوٹنے نہ پائیں۔ (فتح القدیر: ۳/ ۳۲)

بچہ کو بھی چادر اور لنگی پہنائی جائے

مناسب ہے کہ بچہ کی طرف سے احرام باندھنے کے وقت اس کے بدن سے سلے ہوئے کپڑے اتار کر چادر اور لنگی پہنا دی جائے۔ (البحر الرائق: ۲/ ۵۵۴)

بچہ کو بھی ممنوعاتِ احرام سے بچایا جائے

ولی کو چاہئے کہ بچہ کو بھی ممنوعات احرام سے بچائے رکھے؛ (تاہم اگر کوئی بچہ کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرلے تو ان دونوں میں سے کسی پر بھی کوئی چیز لازم نہ ہوگی)۔ (ھندیہ: ۱/ ۲۳۶)

بچہ کی طرف سے مناسک اس کا ولی ادا کرے

جب نا سمجھ بچہ کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے تو ولی ہی اس کی طرف سے تمام مناسک ادا کرے گا، بس طواف کی دو رکعتیں اس کی طرف سے نہیں پڑھے گا، اور یہ دو رکعت بچے کے ذمہ سے ساقط ہیں۔

(منحۃ الخالف: ۲/ ۵۵۵)

نوٹ: البتہ اگر بچہ سمجھ دار ہو تو وہ جو رکن خود ادا کرسکتا ہے اسے خود ادا کرنا ہوگا، ولی کی نیابت کافی نہ ہوگی۔

(شامی: ۳/ ۴۶۷)

(مستفاد از: کتاب المسائل: ۳/ ۱۲۹ تا ۱۳۴)